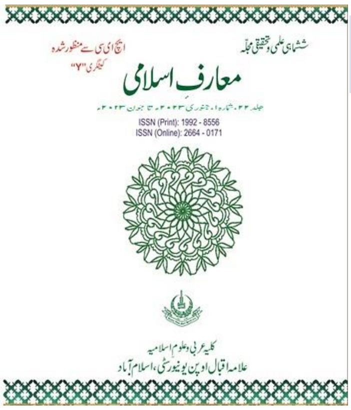


# معارفِ اسلامی Ma’ārif-e-Islāmī

eISSN: 2664-0171, pISSN: 1992-8556
Publisher: Faculty of Arabic & Islamic Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad
Website: https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jmi
Vol.22 Issue: 02 (July-December 2023)
Date of Publication: 25-December 2023
HEC Category (July 2022-2023): Y

https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jmi


| | |
|---|---|
| Article | عصر حاضر میں تحدیات کے تناظر میں نئی دعوتی تحریک کی ضرورت اور اس کے خدو خال: حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مساعی اور افکار کی روشنی میں<br>*The need for a new Da'wah movement and its features for the contemporary challenges(In the light of the efforts and thoughts of Hazrat Mujaddid Alf al-Thani)* |
| Authors & Affiliations | ***1. Dr. Syed Aziz Ur Rahman***<br>Incharge, Reigonal Dawah Center (Sindh) Karachi,Dawah Academy, International Islamic University Islamabad.<br>*syed.azizurrahman@iiu.edu.pk*<br>***2. Dr. Muhammad Shahzad Shaikh***<br>*Assistant Professor,Department of Sciences and Humanities,FAST National University of Computer and Emerging Sciences, Karachi Campus*<br>*shahzad.shaikh@nu.edu.pk* |
| Dates | ***Received***<br>25-07-2023<br>***Accepted***<br>15-09-2023<br>***Published***<br>25-12-2023 |
| Citation | Dr. Syed Aziz Ur Rahman and Dr. Muhammad Shahzad Shaikh, 2023. عصر حاضر میں تحدیات کے تناظر میں نئی دعوتی تحریک کی ضرورت اور اس کے خدو خال: حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مساعی اور افکار کی روشنی میں<br>[online] IRI - Islamic Research Index - Allama Iqbal Open University, Islamabad. Available at: https://iri.aiou.edu.pk [Accessed 25 December 2023]. |
| Copyright Information | عصر حاضر میں تحدیات کے تناظر میں نئی دعوتی تحریک کی ضرورت اور اس کے خدو خال: حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مساعی اور افکار کی روشنی میں 2023@<br>by Dr. Syed Aziz Ur Rahman & Dr. Muhammad Shahzad Shaikh is licensed under Attribution-Share Alike 4.0 International |
| Publisher Information | Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad<br>https://aiou.edu.pk/ |


## Indexing & Abstracting Agencies

| IRI(AIOU) | HJRS(HEC) | Tehqiqat | Asian Indexing | Research Bib | Atla Religion Database (Atla RDB) | Scientific Indexing Services (SIS) |
|---|---|---|---|---|---|---|

# عصر حاضر میں تحدیات کے تناظر میں نئی دعوتی تحریک کی ضرورت اور اس کے خدوخال: حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مساعی اور افکار کی روشنی میں

The need for a new Da'wah movement and its features for the contemporary challenges(In the light of the efforts and thoughts of Hazrat Mujaddid Alf al-Thani)

**ABSTRACT**

The essence of Islam centers around Da'wah, which serves as its foundational element and a litmus test for the faith of its adherents. Although the chain of prophethood has ended, the societal requirements fulfilled by the earlier prophets persist. Therefore, it falls upon the entire ummah and a substantial portion thereof to take on the task of rectifying the shortcomings, imperfections, and deviations within the religion, as well as the responsibility of rejuvenating and revitalizing it. There are four distinct levels at which Da'wah operates within human society: a. Individually. b. Within organized groups or parties. c. Through the cultivation of a collective consciousness. d. At an official institutional level. Every member associated with the Sufi community in our region has assumed these roles according to their capacity as part of their association. The scope of their efforts extends from engaging with rulers to common citizens and encompasses all segments of society. In this context, the contributions of Hazrat Mujaddid al-Thani, Sheikh Ahmed Farooqui Sirhindi, in indopak hold significant importance. During a time when a new religion of Emperor Akbar was being promoted from official channels, Hazrat Mujaddid Sahib chose a different path. He initiated a quiet Da'wah movement, convincing authorities to reform their principles. His efforts extended beyond the official sphere, reaching the unofficial yet influential segments of society, including members of the empire and the monarchy. This article sheds light on the prevalence of irreligion during Hazrat Mujaddid Sahib's era and his steadfast resistance against it. It also delves into the contours of the new Da'wah movement within the context of his efforts. It addresses contemporary needs, our responsibilities, proposed action plans, and necessary precautions.

Keywords: Dawah, Sufism, Deen e Ilahi, Emperor Akbar, Mujaddid Alf Thani.

حیات انسانی بہت سی جہتیں رکھتی ہے۔انسان میں جہاں خاص تناظر میں سیکھنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے، وہیں معاشرے کی ساخت ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے بار بار سکھانے اور تلقین کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔اسی ذمے داری کو اسلام نے ابتدا میں ایک نظام کی شکل دی جسے نظام رسالت کہا جاتا ہے۔نظام رسالت کا منطقی نتیجہ اور اس کی تکمیل ''ختم نبوت'' سے ہی ممکن تھی، اس منصب عظیم کے لیے ختمی مرتبت ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب ہوا، یوں یہ سلسلہ تو مکمل ہوا، اس لیے اس ضرورت کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے چند مراحل میں یہ ذمے داری پوری امت کو تفویض کیں۔اب یہ ذمے داری کئی مدارج میں منقسم ہے۔

الف: قرآن حکیم کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ تمام اہل ایمان کی بنیادی ذمے داری ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیتے رہیں، اور برائی سے لوگوں کو روکتے رہیں۔ قرآن کہتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓىِٕكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۱)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برُے کاموں سے روکتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اللہ جلد ان پر رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔

یہ اپنے اپنے مقام پر جماعت مومنین سے وابستہ ہر ہر فرد کی ذمے داری ہے۔ یہ انفرادی ذمے داری ہے، جس سے ہر صاحبِ ایمان کو متصف کیا گیا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اپنے مزاج کے عین مطابق یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ اہل ایمان ایسے ہوتے ہیں، دراصل قرآن کا مقصود یہ ہے کہ اہل ایمان کو ایسا ہونا چاہیے۔ پھر چوں کہ یہاں ایمان کی صفت کے ساتھ اس ذمے داری کو منسلک کیا گیا ہے، اس لیے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ ایسا کرنا ایمان کا بنیادی تقاضا ہے، اور اگر بالفرض کوئی صاحب ایمان اس حوالے سے اپنے اندر کمی پاتا ہے تو اسے اپنے ایمان کی تکمیل کے لیے فکر مند ہونا چاہیے۔

ب: دوسرا درجہ اس سے بڑھ کر ہے، دعوتِ دین کے لیے دوسرے مرحلے میں باقاعدہ ایک جماعت کو یہ ذمے داری سونپی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو یک سو کر کے اس ذمے داری کی تکمیل کرے، اور اپنے آپ کو اس عظیم مقصد کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(۲)

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور بری باتوں سے منع کرے، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

یہاں بہ ظاہر ایک گروہ یا جماعت کی موجودگی کو ضروری قرار دیا گیا ہے لیکن عربی اسلوب کے مطابق یہاں نکرہ (اُمۃ) متعدد غیر متعین افراد کے لیے استعمال ہوا ہے جس کے بعد ''من'' استعمال ہوتا ہے۔ جو عربی زبان میں تبعیض یعنی کسی چیز کے ایک جزو یا حصہ کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایسے گروہ اور جماعتیں ہر وقت موجود رہنی چاہییں جن کا یہ کام ہو کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو انجام دیتی رہیں۔ (۳)

یہ بات حدیث میں بھی بیان ہوئی ہے، چناں چہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ(۴)

میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے امر دین اور احکامِ شریعت کے ساتھ قائم رہے گا، جو شخص ان کو ذلیل کرنے کی کوشش اور ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور وہ گروہ ہمیشہ اسی کام پر قائم رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر (قیامت) آجائے گا۔

ج: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جو دعوت دین کا بنیادی اور اساسی عنوان ہے، تیسرے درجے میں پوری امت کی مجموعی ذمے داری ہے، یہ ذمے داری بھی قرآن حکیم نے بیان کی ہے، اور اپنے خاص اسلوب میں، چناں چہ قرآن اپنے بلاغت بیان سے یہ بتاتا ہے کہ اس امت مرحومہ کی دنیا میں آمد کا بنیادی سبب ہی دعوت ہے۔ ارشاد باری ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ(۵)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی، تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

د: پھر چوتھا درجہ حکومت اور اہل حکومت کا ہے۔ حکومت وقت کی ذمے داریوں میں بھی دعوت، اور اس کی دونوں اقسام یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شامل ہیں۔ صرف شامل نہیں، اس کا ناگزیر حصہ ہیں۔ یہ بات بھی قرآن حکیم بیان کرتا ہے، اور یہاں بھی قرآنی بلاغت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۶)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

یعنی تمکین فی الارض کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی لازمی اور ناگزیر ضرورت ہے۔ یہ بنیادی نکتہ ہے، جس کی روشنی میں کسی حکومت کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا تعین کیا جا سکتا ہے، اور چوں کہ یہ نکتہ خود قرآن حکیم بیان کرتا ہے، اس لیے یہ نکتہ اس معاملے میں مستقل حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور اسلام کا مزاج دعوت ہے، دعوت اس کی اساس بھی ہے، اور اس سے وابستہ افراد کے ایمان کو جانچنے کی کسوٹی بھی۔ اس تفصیل کی رو سے انسانی معاشرے میں دعوت کی چار سطحیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ اسلامی معاشرے میں انفرادی طور پر مناسب افراد کی اتنی قابل ذکر تعداد ہمہ وقت مطلوب ہے، جو اس ذمے داری کو نبھا سکے۔

۲۔ معاشرے میں ایسے گروہ اور جماعتیں بھی ہمہ وقت موجود رہنی چاہئیں جو اجتماعی سطح پر اس ذمے داری کو ادا کر سکیں۔

۳۔ بہ حیثیت مجموعی امت مسلمہ میں وہ اجتماعی ضمیر موجود ہو جو برائی کو اجتماعی سطح پر برداشت نہ کر سکے، اور جس کی رائے عامہ اتنی مضبوط ہو کہ برائی کو خود بھی سطح زمین پر آنے کی جرات نہ ہو۔

۴۔ حکومت کی باگ دوڑ ایسے لوگ کے ہاتھ میں ہو جو معروفات کو قائم کرنے اور منکرات کو مٹانے کو اپنی بنیادی ذمے داری سمجھتے ہوں۔(۷)

ہمارے خطے میں یہ ذمے داری ایک طویل مدت تک جس طبقے نے پوری تن دہی، محنت اور اہتمام کے ساتھ علی وجہ البصیرت انجام دی وہ طبقۂ صوفیہ ہے۔ اس طبقے سے وابستہ ہر ایک شخص نے تن تنہا اپنی ذات میں انجمن کی حیثیت میں یہ خدمات انجام دیں۔ ان خدمات کا دائرہ حکم رانوں سے لے کر عوام الناس، بل کہ معاشرے کے تمام طبقات تک وسیع تھا۔ اور چوں کہ ان خدمات کی پشت پر چند باتیں موجود تھیں، جن کے سبب ان صوفیہ کے لہجوں اور ان کی زبانوں سے ادا ہونے والے الفاظ کو اللہ تعالیٰ نے پر اثر بنا دیا تھا، مثلاً

الف: یہ تمام بے نفس لوگ تھے۔ ان کی ذاتی منفعت اس کام سے کسی طور وابستہ نہیں تھی۔ یہ جو کماتے فوراً لٹا دیتے، اور کٹیا میں کھردرے فرش پر فاقہ کشی میں موٹا جھوٹا پہن کر مست رہتے۔

ب: طویل ریاضتوں نے ان میں اخلاص کا مادہ اس قدر پیدا کر دیا تھا کہ دنیاوی الائشوں سے ان کا دامن حد درجے محفوظ رہتا۔

ج: علم و فضل میں بھی یہ مقام، اور قدر و منزلت رکھتے تھے، نتیجتاً ان کا علم اور عمل یک جا ہو کر لوگوں کے لیے رہ نمائی کا سبب بنتے تھے۔

د: ان حضرات کی رواداری، وضع داری، وسعت فکر و نظر اور کشادہ قلبی کے سبب مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی ان سے استفادہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔

ھ: مزاج اور طبیعت کے فرق و امتیاز کے باوجود خلق خدا کی خدمت ان کا بنیادی وصف تھا، یہ بات کسی بھی معاشرے میں نظر انداز نہیں ہوتی۔ یہی سبب ہے کہ فقرا کے آستانے اور صوفیہ کی خانقاہیں ہر دور میں خلق خدا سے آباد رہی ہیں۔

و: انسان مادیت پرست ضرور ہے، لیکن عہد الست کے اثرات اس کے خمیر میں گندھے ہوئے ہیں، اس بنا پر روحانیت سے یک سر انحراف ہر ایک کو راس نہیں آتا، گو وہ اس کے نتیجے میں درست راستے تک نہ پہنچ سکے، مگر روح کی تشنگی اسے ہر حال میں سر گرداں رکھتی ہے۔ ان خانقاہوں نے اس تشنگی کا ازالہ کیا اور باہر سے آنے والے تشنہ کاموں کو سیراب کر کے روانہ کیا۔

مختصراً یہ وہ وجوہ تھیں، جنھوں نے صوفیہ کی خانقاہوں کو دعوت کا مرکز بنا دیا۔

اب اگرچہ عرصہ ہوا یہ کام اس نہج پر جاری نہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ انحراف بھی آتا ہے؟ اضمحلال بھی اور روایتی انداز پر نظر ثانی کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ پھر تصوف کا راستہ عقیدتوں سے ہو کر گزرتا ہے، اور خوش عقیدگی کے لیے کوئی لگا بندھا ضابطہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے اس راستے میں خارجی اثرات کا دخول و نفوذ شریعت اسلامی کی دوسری شاخوں کی بہ نسبت آسان ہے۔ اسی بات کو ہر عہد میں مجدد کی ضرورت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہم آگے بڑھنے سے قبل اس پہلو کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

### تجدید دین، مفہوم و تعبیر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ یبعث لھذہ الأمة علی رأس کل مأة سنة من یجدد لھا دینھا(۸)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس امت میں صدی کے سرے پر ایک ایسے شخص کو بھیجے گا، جو اس لیے دین کو تازہ کرتا رہے گا۔

یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی بیان ہوئی ہے۔ مشکوٰۃ کے معروف شارح ملا علی قاری رحمہ اللہ اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ای یبین السنة من البدعة و یکثر العلم و یعز اھله و یقمع البدعة و یکسر اھلھا(۹)

مجدد کی صفت یہ ہے کہ وہ سنت کو بدعت سے ممتاز و نمایاں کر دے گا اور علم کو بہ کثرت پھیلائے گا اور اہلِ علم کی عزت میں اضافہ کرائے گا اور بدعت

کا قلع قمع کرے گا اور اہلِ بدعت کا زور توڑ دے گا۔

نیز اس روایت کے الفاظ من یجدد لھا دینھا کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

علما نے اس لفظِ مَنْ کی تاویل میں مختلف طریقے پر کلام کیا ہے اور ہر ایک نے اپنے مذہب کے عالم کے طرف اشارہ کیا ہے اور حدیث کو اس پر محمول کیا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کو عموم پر محمول کیا جائے، کیوں کہ لفظِ مَنْ واحد و جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کو فقہا کے لیے بھی مخصوص نہیں کرنا چاہیے اگر چہ فقہائے کرامؒ سے امت کو بہت نفع پہنچا ہے لیکن اولوالامر و محدثین و قراؤ واعظین اور زاہدین سے بھی امت کو بہت نفع پہنچا ہے، چناں چہ دین اور قوانینِ سیاست کی حفاظت اور عدل وانصاف کا پھیلانا اولوالامر کا کام ہے اور اسی طرح قرا و محدثین قرآن اور احادیث کا ضبط کرتے ہیں جو شرع کے اصول اور دلائل ہیں اور واعظین اپنے مواعظ سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور تقوے کی ترغیب دیتے ہیں...اور میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ من یجدد سے مراد صرف ایک شخص نہیں ہے بل کہ ایک جماعت مراد ہے ان میں سے ہر ایک کسی ایک ملک میں علوم شرعیہ کے کسی ایک فن یا کئی فنون میں سے جس قدر ہو سکے گا تقریر یا تحریر کے ذریعے دین کی تجدید کرے گا اور اس کی بقا کا باعث ہو گا اور اس کا ذریعے سے دین مٹ جانے اور ختم ہو جانے سے محفوظ رہے گا، یہاں تک کہ امرِ الٰہی آجائے۔(۱۰)

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مجدد کی صفات اور اس کی منصبی ذمے داریاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ تجدید ونصرتِ دین اور ترویج و تقویتِ سنت اور قلع قمعِ بدعت اور اس کی تصنیف و نشرِ علوم اور اعلائے کلمۂ اسلام کے ساتھ اپنے اہلِ زمانہ میں ممتاز ہو گا۔(۱۱)اور دوسرے مقام پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اس حدیث کی شرح میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ ”اکثر لوگوں نے اس حدیث سے ایسا سمجھا ہے کہ علمائے امت میں ایک شخص ہو گا جو کہ اپنے زمانے میں دین کی تجدید و نصرت وغیرہ امور میں ممتاز ہو گا حتیٰ کہ انہوں نے متعین کیا ہے کہ فلاں فلاں شخص فلاں فلاں صدی کے مجدد ہوئے ہیں لیکن صاحبِ جامع الاصول وغیرہ نے اس کو عموم پر حمل کیا ہے، خواہ وہ ایک شخص ہو یا ایک جماعت کیوں کہ کلمۂ مَنْ واحد اور جمع دونوں پر واقع ہوتا ہے اور علما و فقہا ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بل کہ بادشاہوں، حاکموں، قاریوں، محدثین، زاہدین، عابدین، علمائے نحو، اربابِ سیر و تواریخ، اغنیا و اسخیا جو کہ اپنے مال و متاع کو علما و صلحا و مصارفِ خیر پر صرف کرتے ہیں اور دین کی ترویج و تقویت کا باعث ہوتے ہیں اور تمام وہ گروہ جن کے وجود سے دین میں قوت و کمال و رواج پیدا ہوتا ہے ان سب کو شامل ہے...اور اگر ملکوں اور شہروں کے عموم کا بھی اعتبار کریں اس طرح پر کہ وہاں ایک زمانے میں ایک شخص یا جماعت اس شان کی ہو تو یہ کچھ بعید نہیں ہے“۔(۱۲)اسی طرح مولانا عبدالحیی لکھنویؒ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ ”مجدد کی علامت و شروط یہ ہیں کہ وہ علومِ ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو گا اور اس کی تدریس و تالیف و تذکیر (وعظ و نصیحت سے) عام نفع پہنچے گا اور وہ سنتوں کے زندہ کرنے اور بدعتوں کے مٹانے میں سرگرم ہو گا“۔(۱۳)

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ چوں کہ اب نبوت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، مگر وہ ضرورت جو اس سے قبل انبیاء کے ذریعے تکمیل پاتی تھی، اب بھی علیٰ حالہ موجود ہے، اس مقصد کے لیے پوری امت کو بھی اور اس امت میں سے ایک بڑی جماعت کو بھی اپنے اپنے دائرے میں یہ ذمے داری سونپی گئی کہ وہ دین میں در آنے والی کم زوریوں، خامیوں اور خرابیوں کا مداوا کریں، اور اصلاح و تجدید دین کا فریضہ سرانجام دیں۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ اس ذمے داری کو مزید وسعت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایسی شخصیات بھیجنے کا اہتمام بھی فرمایا، جو خاص اس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجی گئیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ ان شخصیات کا بنیادی کام یہی ہو گا کہ وہ دین کے راستے میں پھیلائی جانے والی رکاوٹیں دور کر کے پوری انسانیت کے لیے اس پر چلنا آسان کر دیں۔ دین کو درست تعبیر کے ساتھ عوام الناس کے سامنے پیش کریں، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین میں در آنے والے بیرونی اثرات سے دین کی تطہیر کا فریضہ سرانجام دیں۔ ان کی رہ نمائی کریں، اور انہیں یہ موقع فراہم کریں کہ وہ بھی دینِ رحمت اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمتِ عام سے متمتع و مستفید ہو سکیں۔ اس حوالے سے برِ عظیم پاک و ہند میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس اللہ سرہ کا کام نہایت اہم ہے۔ اگر چہ کہ آپ کی مساعی کے اثرات کو خطے اور علاقے کی حد بندیوں سے نہیں ناپا جا سکتا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے طریق دعوت پر گفت گو سے قبل مناسب ہے کہ آپ کے حالات کا مختصر ترین خاکہ بھی یہاں درج کر دیا جائے۔

### حضرت مجدد الف ثانی

حضرت مجددؒ کا نام نامی احمد، لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات تھی۔ والد کا نام عبدالاحد تھا۔ آپ حنفی المذہب اور نقشبندی سلسلۂ طریقت و تصوف کے امام تھے، جو تمام سلاسل تصوف کا جامع ہے۔ آپؒ کا سلسلۂ نسب ستائیس واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کی

ولادت شب جمعہ ۱۴؍ شوال المکرم ۹۷۱ھ مطابق ۲۶ جون ۱۵۶۴ء کو سرہند میں ہوئی۔ سنہ ولادت لفظ خاشع سے برآمد ہوتا ہے۔

آپ نے بچپن میں تھوڑے ہی عرصے میں قرآن کریم حفظ کرلیا، بعدازاں اپنے والد ماجد سے تحصیل علوم میں مشغول ہوگئے۔ ان کی توجہ سے آپ کو علومِ متداولہ پر اس قدر عبور حاصل ہوا کہ بڑے بڑے دقیق مسائل اور ادق عبادتوں کو بہ سہولت حل فرمادیا کرتے تھے۔ علوم متداولہ میں والد ماجد کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں موجود کمال الدین کشمیری، شیخ یعقوب کشمیری، قاضی بہلول بدخشانی جیسے علوم وفنون کے آفتاب وماہتاب شامل ہیں۔ سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ مسند تدریس پر متمکن ہوئے۔ مختلف ممالک سے سیکڑوں طلبہ کا آپ کی جانب رجوع ہونے لگا۔ رات دن درس وتدریس کا حلقہ سجتا اور حدیث و تفسیر کا مشغلہ جاری رہتا تھا۔ اس دوران آپ کی درس گاہِ تعلیم و تربیت سے کثیر تعداد سے استفادہ کیا۔ اسی دوران آپ کو اکبر آباد کے علما و فضلا کی شہرت کا علم ہوا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ چند ہی روز میں وہاں آپ کی ایسی شہرت ہوئی کہ بڑے بڑے علما حدیث و تفسیر کی سند آپ سے حاصل کرنے میں اپنی سعادت سمجھنے اور آپ سے شرفِ تلمذ کو باعثِ فخر جاننے لگے۔ اس دوران آپ کی خدمت میں بہت سے علما فضلا حاضر ہوئے اور اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کی شہرت سن کر اور آپ کے علم و فضل سے متاثر ہوکر ابوالفضل اور فیضی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حد درجے اخلاص کا اظہار کیا۔ اسی زمانے میں فیضی نے اپنی مشہور عالم بے نقط تفسیر ''سواطع الالہام'' لکھنی شروع کی تھی۔ ایک مقام پر پہنچ کر وہ عاجز ہوگیا۔ بہت سے علما سے مشورہ کیا، مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ مجبور ہوکر حضرت مجدد الف ثانیؒ سے درخواست کی۔ آپ کو اگرچہ اس سے قبل اس طرز کی عبارت لکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، مگر اس کی درخواست پر اس مقام کے مناسب ایک صفحہ فصیح و بلیغ بے نقط عبارت میں تحریر فرمادیا۔

غالباً ۹۹۴ھ میں آپ نے ایک رسالہ ''اثبات النبوۃ'' کے نام سے تحریر فرمایا چکے تھے۔ پھر ۱۰۰۸ھ میں آپ نے رسالہ تہلیلیہ تحریر فرمایا۔ کچھ عرصہ آپ کا قیام اکبر آباد میں رہا، پھر آپ کے والد آپ کو اپنے ساتھ واپس سرہند لے گئے۔ اسی اثنا میں جب آپ کا گزر شہر تھانیسر سے ہوا تو وہاں کے رئیس سلطان نے آپ کو نہایت اعزاز واکرام سے اپنا مہمان بنالیا اور اپنی نیک فطرت صاحب زادی کا عقد آپ سے فرمادیا۔ اندازہ ہے کہ یہ تقریب ۹۹۸ھ میں انجام پائی۔ اکبر آباد سے واپسی پر شادی کے بعد حضرت مجدد اپنے والد ماجد کی خدمت اور ان سے اکتسابِ فیض میں مشغول ہوگئے۔ جب ان کی رحلت کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت مجدد کو سلسلۂ سہروردیہ وچشتیہ و قادریہ میں خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور اپنا جانشین نامزد کردیا۔

۱۰۰۷ھ میں آپ کے تیسرے صاحب زادے اور جانشین خواجہ محمد معصوم کی ولادت ہوئی۔ اسی دوران آپ کی مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی، جو آپ کے پرانے احباب میں سے اور حضرت باقی باللہؒ کے مخلصین میں شامل تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب کے مناقب بیان کیے اور کہا کہ اس وقت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ جیسا کوئی بزرگ صوفی نظر نہیں آتا۔ آپ نے ان کے ہم راہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری دینے کا فیصلہ کیا۔ حاضری کے وقت خواجہ باقی باللہ آپ کے ساتھ نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آئے اور آپ کی بلند استعداد اور اعلیٰ قابلیت ملاحظہ فرماکر آپ کو اپنے پاس ٹھہرنے کی پیش کش کی۔ آپ نے وہاں قیام کا ارادہ فرمالیا۔ یہ قیام ڈھائی ماہ تک رہا۔ اس دوران آپ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور توجہاتِ عالیہ سے مشرف ہوکر تھوڑے ہی عرصے میں تمام مقاماتِ بلند سے سرفراز فرمادیے گئے۔ آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا اس قدر اعتماد حاصل ہوا کہ انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں، جسے ایک دوست کے نام تحریر فرمایا تھا، اپنے اس مرید خاص کی بابت یہ بلند مرتبہ رائے ظاہر فرمائی:

شیخ احمد نام مردے است در سرہند کثیر العلم و قوی العمل روزے چند فقیر بااو نشست و برخاست کرد، عجائب بسیار از روزگار واوقات اور مشاہدہ کردہ، بہ آں می ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردند، بحمد اللہ تعالیٰ احوال کاملۂ او مرا بہ یقین پیوستہ ایں شیخ مشار الیہ برادران واقربا دارارد، ہمہ مردم صالح واز طبقۂ علماء، چندے را دعا گو ملازمت کردہ از جواہر عالیہ دانستہ، استعدادہائے عجیب دارند، فرزندانِ آں شیخ کہ اطفال واسرارِ الٰہی اند بالجملہ شجرہ طیبہ اند، اَنۡبَتَہَ اللّٰہُ نَبَاتًا حَسَنًا (۱۴)

خواجہ باقی باللہؒ نے جب حضرت مجددؒ کو ہر اعتبار سے کامل پایا تو نسبت خاصہ عطا کرکے آپ کو خلافت واجازتِ کاملہ سے سرفراز فرمایا اور ماہِ رجب ۱۰۰۸ھ میں آپ کو واپس سرہند جانے کی اجازت دے دی۔ چناں چہ آپ واپس تشریف لاکر طالبین کی تربیت اور سالکین کی ہدایت میں مشغول ہوگئے اور قلیل مدت میں ہزاروں طالبانِ حق اس چشمۂ فیوض سے سیراب ہوئے۔

حضرت مجددؒ کے کارِ تجدید کا آغاز اصحابِ علم کی تصریحات کے مطابق ۱۰۱۱ھ سے ہوا۔ اس کے دوسرے سال خواجہ باقی باللہؒ کا دہلی میں وصال ہوگیا۔ اس سانحے نے آپ جو رنجیدۂ خاطر کردیا۔ آپ دہلی جانے کے لیے عازم سفر ہوئے۔ وہاں پہنچ کر مزار کی زیارت، مخدوم زادوں اور متعلقین سے تعزیت اور انہیں صبر کی تلقین کی، پھر چند روز دہلی میں قیام فرماکر واپس سرہند تشریف لے آئے۔ اس کے بعد آپ نے ۲۳ سال تک احیائے سنت،

ازالہ بدعت اور مسلمانوں کے رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیے۔ بالآخر یہ آفتابِ ہدایت، جس کی ضیا پاش کرنوں سے ہزاروں افراد نے براہ راست اکتساب فیض کیا اور لاکھوں کروڑوں افراد آج تک بالواسطہ مستفیض ہو رہے ہیں، بروز منگل ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء بوقت چاشت غروب ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون(۱۵)

**حضرت مجدد کی دعوتی حکمت عملی اور اس کا پس منظر**

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے سامنے یقیناً میدان دعوت بہت وسیع تھا، مگر اس میدان کی نہ وسعت اس وقت تک ناپی جاسکتی ہے، نہ اس کی جہات کو ہی صحیح معنیٰ میں متعین کیا جاسکتا ہے، جب تک کہ اس پس منظر کو سامنے نہ رکھیں، جن کے نتیجے میں حضرت مجددؒ کو اتنی بڑی تحریک کے لیے کھڑا ہونا پڑا۔ اکبر کا دور کھلے لفظوں میں دور فتن تھا، مگر آج کے روشن خیال عہد میں یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے کہ اکبر کے عہد کے مسائل کو تاریخ کے حوالوں کی بہ جائے، اپنے مفروضوں سے حل کرنے کوشش کی جاتی ہے، حال آں کہ جدید تحقیق کے اسالیب سے بھی اسی نتیجے کی جانب اشارے ملتے ہیں، کیوں کہ اس عہد کے حالات کے دو بنیادی حوالے ہیں، ایک ملا عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب، اس حوالے سے دونوں سے ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر ایک گھر کی گواہی بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم زیادہ مناسب سمجھتے ہیں کہ مجددی تحریک کا پس منظر کسی اور حوالے سے نقل کرنے کی بہ جائے اسی گھر کی گواہی سے چند اقتباسات پیش کر دیں۔ گھر کی گواہی سے ہماری مراد آئین اکبری ہے۔ جو اکبر کے نفس ناطقہ ابو الفضل کی تالیف ہے۔ ان چند اعترافی اقتباسات ہی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت ہندوستان اصل صورت حال کس قدر دگرگوں ہو گی؟ ظاہری مراسم جن کو نوآئین الٰہی کہتے ہیں یہ غافل افراد کی بیداری کے لیے ہے ورنہ خداوند کریم کی ثنا و عبادت دل سے ادا ہو سکتی ہے نہ کہ جسم سے۔(۱۶)

فرماتے ہیں کہ پیری میں درد دل کی شناخت کرنا اور لوگوں کی حاجت روائی کرنا ہے نہ کہ صرف ڈاڑھی کا بڑھا لینا اور خرقہ کپڑے کے ٹکڑوں سے تیار کرنا اور واعظانہ ہیئت میں نمودار ہو کر ہنگامہ آرائی کرنا۔(۱۷)

فرماتے ہیں کاش علوم رسمی کے ماہرین کے اس قدر اختلافات گوش زد نہ ہوتے اور ان کے اختلافات و تغیرات سے تفاسیر و احادیث اس قدر مقام تعجب نہ بن جاتے۔(۱۸)

فرماتے ہیں کہ جو شخص خلوص اور قلبی صفائی کے ساتھ میرے قوانین کو قبول کرلے تو وہ بالیقین ظاہری و باطنی مقاصد کے حصول میں کام یاب ہو گا۔(۱۹)

فرماتے ہیں کہ آفتاب کی سلاطین کے حال پر ایک خاص عنایت ہے اسی وجہ سے اس کی عبادت خدا کی عبادت خیال کی جاتی ہے، لیکن کوتاہ بین شخص بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔(۲۰)

عوام کس لیے سیہ دل دولت مندوں کی اپنے نفع کی غرض سے عزت کرتے ہیں اور اپنی نابینائی کی وجہ سے اس چشمۂ نور کے احترام میں کوتاہی کرتے ہیں اور عبادت گزار پر طعنہ زنی کرتے ہیں اگر خود ان کی عقل پر آفت نہ آئی ہے تو سورۃ والشمس کیوں فراموش کر دی گئی۔(۲۱)

فرمایا کہ احمد کیش میں دختر کو میراث میں کم حصہ دیا جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ دختر بہ وجہ اپنی کم قوتی کے زیادہ کی سزاوار ہے اور یہ امر محض اس وجہ سے ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں جاتی ہے اور میراث بے گانہ افراد کے گھر میں پہنچ جاتی ہے۔(۲۲)

فرماتے ہیں کہ مجھے اس امر کا سخت تعجب ہے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں قرآن کی تفسیر رائج نہ ہوئی اگر ایسا ہوتا تو قرآن کے مفہوم و مطالب میں اختلاف نہ پیدا ہوتا۔(۲۳)

فرماتے ہیں کہ قدما کا قول ہے کہ سخت ترین بلیات پیمبروں پر نازل ہوئیں اور اس کے بعد اولیا پر اور اسی صورت سے درجہ بہ درجہ جملہ صالحین پر، مجھے اس امر کا یقین نہیں ہوتا کہ ان مقبولان بارگاہ ایزدی پر کیوں اس قدر بلیات نازل کی گئیں۔ علمائے ظاہر کی ایک جماعت نے عرض کیا کہ یہ محض خدا کی آزمائش تھی، جہاں پناہ اس سے بے حد متعجب ہوئے اور فرمایا کہ آزمائش دانائے پوشیدہ و آشکارا کے لیے کیوں کر مناسب خیال کی جاسکتی ہے۔(۲۴)

فرماتے ہیں کہ لوگ اپنے فرزندوں کے نام صالحین کے نام پر رکھے دیتے ہیں، اگرچہ یہ امر حصول برکت کی غرض سے ظہور میں آتا ہے مگر دراصل ادب سے دور ہے، تعجب خیز امر یہ ہے کہ جو لوگ تناسخ کے قائل نہیں ہیں وہ اس امر کے زیادہ تر کوشاں ہیں اور اہل ہند جو تناسخ کے قائل ہیں وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔(۲۵)

فرماتے ہیں کہ اگر سور کی حرمت کا باعث اس کی بے عزتی ہے تو لازم ہے کہ شیر یا مثل اس کے دوسرے جانور حلال ہوں۔(۲۶)
فرماتے ہیں کہ مجھے انسان کے اس فعل پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ خرد سال لڑکوں سے جو فرائض کے بار سے سبک دوش ہیں ختنے کی سنت کو لازمی جانتے ہیں۔) ۲۷(
فرماتے ہیں کہ قدیم کتب سماوی میں مرقوم ہے کہ گناہ گاران سلف کی صورتیں بندر اور سور کی شکلوں میں تبدیل ہو گئی ہیں یہ بھی ایک نادر الوجود اور تعجب خیز امر ہے۔(۲۸)
فرماتے ہیں کہ انسان اپنے معدے کو جانوروں کا قبرستان بنائے یہ فعل نامناسب ہے۔(۲۹)
فرماتے ہیں جب کہ باز کی خوراک بہ جز جانوروں کے گوشت کے دوسری نہیں ہے یہی سبب ہے کہ اس کی کم عمری اس کی گوشت خوری کی مکافات ہے۔انسان جو اپنی بے شمار خورش کی موجودگی کے باوجود گوشت کے کھانے سے پرہیز نہیں کرتا آخر کار اس کا کیا حال ہوگا۔(۳۰)
فرماتے ہیں کہ ہر انسان پر لازم ہے کہ ہر سال ماہ ولادت میں گوشت نہ کھائیں تاکہ خدا کی عبادت ادا ہو اور سال عمدگی سے گزر جائے۔(۳۱)
فرماتے ہیں کہ قصاب اور ماہی گیر اور مثل ان کے دیگر اشخاص جن کا پیشہ جاں شکنی ہے ان کی جماعت کو عام آبادی سے علیحدہ کر دیا جائے اور ان سے ملنے والوں سے تاوان وصول کیا جائے۔(۳۲)
فرماتے ہیں کہ سلاطین کے دیدار کو لوگ خدا کی پرستش جانتے ہیں اور اس کو تمام مخلوق ظل اللہ جانتی ہے، ان وجوہ سے بالیقین اس کا دیدار خدا کی عبادت کا سرمایہ ہے اور سائے کو اس کے مالک سے جدا نہ خیال کرنا چاہیے۔(۳۳)
ہمارا نہیں خیال کہ یہ چند اشارے اس عہد کی تصویر کشی کے لیے ناکافی ہیں۔غور کیا جائے تو ''دینِ الٰہی کی وہ تمام تفاصیل جو ملا عبدالقادر بدایونی نے بیان کی ہیں آئینِ اکبری میں موجود ہیں۔
اختصار کی غرض سے ہم نے یہاں صرف آئین اکبری کے ایک باب ''میفر مودن'' سے چند اقتباسات درج کیے ہیں۔مزید مطالعے کے لیے آئین اکبری کے دوسرے اہم ترین باب آئینِ راہ نمونی کے مطالعے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔
لیکن اکبر کے حوالے سے ایک اور گھر کی گواہی ایسی ہے، جس کا ایک اقتباس ہی ہمارے لیے چشم کشا ثابت ہو سکتا ہے۔جہاں گیر اکبر کے بارے میں اپنی تزک میں تحریر کرتا ہے:
پدر من در اکثر اوقات یاد اناماں دین و ہر مذہب صحبت می داشتند، خصوصاً باپنڈیاں و دانایان ہندو باں کہ امی بودند از کثرت مجالست بادانایان وار باب فضل در گفت گوہا چناں ظاہر می شود کہ ہیچ کسے پے امی بودن ایشاں نمی بردو بدقائق نظم ونثر چناں می رسیدند کہ مافوق براں تصور نہ بود۔(۳۴)
میرے والد اکثر ہر دین و مذہب کے دانش وروں سے ملاقات کرتے تھے، خصوصاً ہندو پنڈتوں اور دانش وروں سے اور امی ہونے کے باوجود کثرت مجالست کے سبب علما و فضلا کے ساتھ گفت گو میں کسی کو ان کے امی و ناخواندہ ہونے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔نظم ونثر کی باریکیوں کو اس طرح سمجھتے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔
اس ساری صورت حال کا خلاصہ اس عہد کے نمایاں ترین مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:
بادشاہ اپنی ہندو رعایا کو خوش کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اسلام سے رخ پھیرنا شروع کیا اور اسی پر اکتفا نہ کیا بل کہ اس سے بھی تجاوز کر گیا اور علی الاعلان اسلام کی مخالفت شروع کر دی۔ چناں چہ علما اپنی تصنیفات اس کی تعریف کی نذر کر دیتے اور خطبے میں صرف توحید کے بیان پر اکتفا کرتے۔ کتابوں کے مقدموں میں بادشاہ کے القابات اور خطابات بار بار استعمال کیے جاتے۔کسی کی مجال نہ تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا نام خطبے میں لیتا۔ بادشاہ قرآن کا منکر تھا، اس کے ساتھ حیات بعد الممات کا بھی منکر تھا اور عام حکم دے رکھا تھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بہ جائے لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کہا جائے۔(۳۵)

### حضرت مجدد کا طریق کار

جس قدر صورت حال درج کی گئی ہے، یہ ایک ماخذ کا بیان ہے، البتہ دیگر دو مآخذ سے صرف ایک ایک اقتباس پیش کیا گیا ہے۔لہٰذا تشنگی فطری ہے، مگر یہاں اس صورت حال کی پوری منظر کشی مطلوب بھی نہیں تھی، اس لیے اس مختصر اشارے پر اکتفا کیا گیا، مگر اس سے صورت حال کی سنگینی کا ایک خاکہ ضرور سامنے آجاتا ہے۔ان حالات میں حضرت مجدد الف ثانی کے سامنے کیا ممکنہ راستے ہو سکتے تھے۔اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے، غور کیا جائے تو کل

تین صورتیں بنتی ہیں۔ جن میں سے حضرت مجدد کو ایک راستے کا انتخاب کرنا تھا۔

**گوشہ نشینی**

یعنی ریاست اور اس کے معاملات کو چھوڑ کر کسی ایسے علاقے میں منتقل ہو جائیں، جہاں یک سوئی اور گوشہ نشینی کا ماحول ہو، اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو کر ان حالات سے یک سر تعلق ہو جائیں۔

یہ نکتہ بھی کوئی فرضی نکتہ یا تاریخی مفروضہ نہیں ہے، ایسا ہوا، تاریخ میں تو بارہا ہوا، خود عہد مجدد میں، ان حالات میں کئی ایک علما اور مشائخ نے اسی میں عافیت سمجھی، اور وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ اس حوالے سے کئی حضرات کے نام ملتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن کا اس عہد میں نمایاں مقام تھا، اور یہ اس معاشرے میں اپنا وزن رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر شیخ سلیم چشتی رحمہ اللہ کے فرزند شیخ بدر الدین رحمہ اللہ مکہ مکرمہ چلے گئے، اور اپنی بقیہ عمر انہوں نے وہیں گزار دی۔ اسی طرح اس عہد کی نمایاں ترین شخصیت، جن کے احسانات سے یہ خطہ آج تک متمتع ہو رہا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سند حدیث لینے کے لیے روانہ حجاز ہوئے تو واپس لوٹنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ان کے استاد و پیر شیخ عبد الوہاب متقی نے انہیں مشورہ دیا کہ دہلی واپس جا کر احیائے شریعت کی خدمات سرانجام دیں۔ یوں ان کی برکتوں سے یہ خطہ دوبارہ متمتع ہو سکا۔ (۳۶) چناں چہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لیے صاحبِ رودِ کوثر لکھتے ہیں کہ وہ وطن کے ماحول سے بددل ہو کر حجاز گئے تھے، ان کا واپسی کو بالکل جی نہ چاہتا تھا، لیکن استاد نے نہایت سختی، سے ہدایت کی کہ تمہیں واپس جانا چاہیے، چناں چہ انہیں مجبوراً وطن کا رخ کرنا پڑا۔ (۳۷) بہ ہر کیف یہ ایک راستہ تھا، جو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے سامنے بھی تھا، مگر انہوں نے یہ راستہ اختیار نہیں فرمایا۔

**محاذ آرائی**

دوسرا راستہ یہ ہو سکتا تھا کہ آپ اکبر کی پھیلائی ہوئی گم راہیوں کے خلاف محاذ تشکیل کر لیتے اور بغاوت کا ماحول پیدا کر دیتے۔ آپ کو افرادی قوت بھی میسر تھی، قرطاس و قلم کی طاقت بھی موجود تھی، مسئلہ اس نوعیت کا تھا کہ رائے عامہ کو ہم وار کرنے اور اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا کوئی بڑا کام نہ تھا، خصوصاً حضرت مجدد الف کی جو صلاحیتیں بعد میں ہمارے سامنے آئیں، ان کی روشنی میں یہ باور کرنا قطعاً مشکل نہیں ہے کہ حضرت مجدد کے لیے یہ راستہ آسان تھا، کم از کم اس راستے سے، جو آپ نے منتخب فرمایا۔ اور یہ راستہ بہت سے دوسرے حضرات نے منتخب بھی کیا، چناں چہ ان حالات کے تناظر میں بہت سے لوگ میدان عمل میں اترے، جون پور کے قاضی ملا محمد یزدی نے فتویٰ دیا کہ اکبر مرتد ہو چکا ہے اس لیے اس کے خلاف تلوار اٹھانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ قاضیٔ بنگال میر یعقوب اور قاضی لان برنی نے بھی اس فتوے کی تائید کی۔ پنجاب کے اکثر و بیشتر علما نے ملا محمد یزدی کی جرأت کی داد دیتے ہوئے اکبر کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال، بہار اور اضلاع پورب میں اکبر کے خلاف بغاوت ہو گئی اور محمد معصوم کابلی و محمد معصوم خاں فرنخودی، میر معز الملک، نیابت خاں، عرب بہادر اور دوسرے امرا تلواریں کھینچ کر اکبر کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے، اکثر مقامات پر انہوں نے بڑی سخت لڑائیاں لڑیں۔ باغی امرا کی قیادت باباخاں جباری اور وزیر جنیل نے کی اور کافی مدت تک وہ اکبر کے لیے دردِ سر بنے رہے، فریقین میں گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں لیکن بدقسمتی سے باباخاں عین معرکہ کارزار میں کام آیا۔ امیر میر نامی ایک سردار جو اپنی فوج لے کر باغیوں کی مدد کو آ رہا تھا شاہی فوج کے ہاتھ لگا، اکبر نے اس کا سر قلم کر دیا۔ حسین بیگ چتراد قلی بھی اکبر کے خلاف لڑتا ہوا میدانِ جنگ میں کام آیا۔

باغی امرا کا زور ٹوٹتے ہی علما کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی، قاضی بنگال میر یعقوب بھی گرفتار ہوئے اور اکبر نے ان کے دست و پابند ھوا کر دریائے جمنا میں پھنکوا دیا۔ قاضی برنی کو اکبر کے حکم سے ذبح کیا گیا۔ میر معز الملک اور قاضی محمد یزدی کو جمنا میں غرق کرا دیا، لاہور کے اکثر علما کو اکبر نے مروا ڈالا اور بعض دوسرے حضرات میں سے قاضی صدر الدین لاہوری، ملا عبد الشکور، ملا محمد معصوم اور شیخ منور کو دور دراز علاقوں میں جلا وطن کر دیا، شیخ سلطان تھانیسری (حضرت مجددؒ کے خسر) کو کسی بہانے تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ اگرچہ اکبر اس بغاوت کو دبانے میں کام یاب ہو گیا، لیکن اس کی وفات کے بعد راسخ العقیدہ مسلمان اپنے مشن میں کام یاب ہو گئے، اکبر کی زندگی میں اس کے حواریوں میں سے راجہ ٹوڈر مل بھگوان داس، راجہ بیر بل، شیخ مبارک، فیضی، ابو الفضل، شاہ فتح اللہ شیرازی وغیرہ ایک ایک کر کے راہیٔ ملکِ عدم ہوئے اور ان کی جگہ راسخ العقیدہ امرا نے لی، ان میں شیخ فرید بخاری، قلیج خاں، مرزا عزیز کوکلتاش، میراں صدر جہاں اور عبد الرحیم خان خاناں پیش پیش تھے، ان امرا نے دربار میں اپنی ایک جماعت قائم کر لی جسے حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ ''جرگہ مُمدّانِ دولتِ اسلام'' کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان کا اثر زیادہ تر شاہی دربار اور سرکاری حلقوں تک ہی رہا۔ (۳۸)

**خاموش دعوت**

ان حالات میں تیسرا راستہ حضرت مجدد کے سامنے یہ تھا کہ وہ خاموش دعوتی تحریک کاآغاز کریں، اور صاحبانِ اختیار واقتدار کو اصلاح اصول کی جانب مائل کریں۔ اس دعوت کا مرکزہ نقطہ یہ تھا کہ اندر سے اصلاح کی کاوش کی جائے، بہ جائے اس کے کہ شورش بپا کرکے اور بغاوت کا ماحول پیدا کرکے حکومتی تبدیلی کے امکانات روشن کیے جائیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اس تیسرے راستے کو اپنی دعوتی حکمت عملی کی اساس قرار دیا، اور آپ نے اپنی تمام تر توانائیاں اس حوالے سے صرف کر دیں۔ در حقیقت حضرت مجدد الف ثانی کی یہ حکمت عملی سنت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے مستفاد تھی۔ حضرت مجدد نے یہ حکمت عملی در حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب سے اخذ کی اور اس نکتے کو اپنے ماحول اور حالات مطابق پھیلا کر ایک منصوبے کی صورت گری فرمادی۔

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حکمت عملی کے بہت سے اجزا میں سے ایک حکم رانوں اور امرا و رؤسائے مملکت کو بہ ذریعہ خطوط و مکاتیب دعوت تھی۔ اس حوالے سے آپ بڑی تعداد میں مکاتیب تحریر فرمائے۔ ان مکاتیب کا مطالعہ جہاں ہمیں ادبی حوالے سے متمتع کرتا ہے، اور بلاغت کے لیے نئے نکات ہم پر کھولتا ہے، ہمارے سامنے یہ دعوتی حکمت عملی بھی سامنے آتی ہے کہ اس طبقے تک کس طرح اپنا پیغام پہنچایا جاسکتا ہے، اور ان سے کن کن نکات پر بات چیت کی جاسکتی ہے۔

چناں چہ ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ اسوۂ نبوی کے اس باب کے حوالے سے غور کریں اور نبوی اسلوبِ دعوت سے رہ نمائی حاصل کریں۔

**نبوی اسلوب**

خاص اس حوالے سے نبوی اسلوب یہ معلوم ہوتا ہے کہ امرا اور صاحبانِ ریاست کو اپنا ہم نوا بنایا جائے، اگر وہ اسلام کا پیغام قبول کر لیں تو بہتر، ورنہ وہ اسلام قبول کیے بغیر بھی اسلامی ریاست اور امیر وقت کے ماتحت اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکتے ہیں، اور اس حوالے سے شرائط فریقین کی رضامندی سے طے کی جاسکتی ہیں، تاکہ ریاست کو تحفظ فراہم کیا جاسکے، اور بیرونی خطرات سے وہ مامون ہو کر اپنی فلاحی خدمات سرانجام دے سکے۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک خطوط مبارکہ میں امرا و رؤسائے وقت کے لیے یہ پیغام ملتا ہے کہ وہ اگر بنیادی پیغام قبول کرلیں، جس کے نکات یہی دو ہیں، یعنی یا تو اسلام قبول کر لیں، یا دائرۂ اسلام میں شامل ہوئے بغیر دائرہ ریاست اسلام میں شمولیت اختیار کرلیں، تو ان کی ریاست اور حکومت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ چناں چہ بحرین کے حکم راں منذر بن ساویٰ کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ایک مکاتیب ہیں اور ان میں سے ایک مکتوب مبارک کا عکس بھی الحمد للہ موجود ہے، جو کتبِ سیرت میں شائع ہوتا رہتا ہے، اس نامۂ مبارک میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحریر فرمایا:

**بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساویٰ، سلام علیک، فأنی احمداللہ الیک الذی لاالہ غیرہ، واشھد ان لاالہ الااللہ، وان محمدا عبدہ ورسولہ، امابعد! فأنی أُذَکِّرُکَ اللہ عز وجل، فانہ من ینصح فأنما ینصح لنفسہ، وانہ من یطع رسلی ویتبع امرھم فقد اطاعنی ومن نصح لھم فقد نصح لی، وان رسلی قد اثنوا علیک خیرا، وانی قد شفعتک فی قومک، فاترک للمسلمین مااسلموا علیہ وعفوت عن اھل الذنوب، فاقبل منھم وانک مھما تصلح فلن نعزلک عن عملک، ومن اقام علی یھودیتہ او مجوسیتہ فعلیہ الجزیۃ(۳۹)**

شروع اللہ کے نام سے، جو نہایت مہربان اور انتہائی رحم والا ہے، اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے منذر بن ساویٰ کے نام۔ سلام ہو تجھ پر۔ میں تجھ سے اس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ امابعد! میں تجھے اللہ عز وجل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور جس نے میرے قاصدوں کی پیروی کی اور ان کی ہدایت پر عمل کیا تو اس نے بلاشبہ میری پیروی کی اور جس نے ان کی خیر خواہی کی، اس نے گویا میری خیر خواہی کی اور میرے قاصدوں نے آکر تمہاری تعریف و توصیف کی اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کی۔ پس وہ املاک مسلمانوں کے پاس چھوڑ دو جن پر وہ اسلام لانے کے وقت قابض تھے۔ اور گناہ گاروں سے درگزر کرتا ہوں۔ لہٰذا تم بھی ان سے (توبہ) قبول کرلو اور جب تک تم اصلاح احوال کرتے رہو گے تو ہم تمہیں معزول نہیں کریں گے اور جو شخص اپنی یہودیت یا مجوسیت (آتش پرستی) پر قائم رہنا چاہے اس پر جزیہ ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس یمامہ (یمامہ جزیرۃ العرب کا اہم خطہ ہے۔ یہ علاقہ اس وقت فارس کے زیر اثر تھا، اور ہودہ بن علی اس کا حکم

راں تھا) کو اپنے خط میں یہ تحریر فرمایا:

**بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللّٰہ الی ہوذہ بن علی، سلام علی من اتبع الھدیٰ واعلم ان دینی سیظھر الی منتھی الخف والحافر فاسلم تسلم، واجعل لک ماتحت یدیک(۴۰)**

شروع اللہ کے نام سے، جو نہایت مہربان اور انتہائی رحم والا ہے، اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہوذہ بن علی کی طرف۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور جان لے کہ میرا دین عن قریب تمام عرب و عجم کی حدود تک پہنچے گا اور غالب آئے گا۔ پس تم اسلام لے آو، سلامت رہو گے اور تم اپنے مقبوضات پر بہ دستور برقرار رہو گے۔

ایک اور خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن ابی شمر غسانی کے نام تحریر فرمایا، یہ شام کا حکم راں تھا۔ اس نامۂ مبارک میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پیغام دیا، آپ کا نامۂ مبارک یہ ہے :

**بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللّٰہ الی الحارث بن ابی شمر الغسانی، سلام علی من اتبع الھدی واٰمن باللّٰہ وصدق، فانی ادعوک الی ان تومن باللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، یبقی لک ملکک(۴۱)**

شروع اللہ کے نام سے، جو نہایت مہربان اور انتہائی رحم والا ہے، اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ حارث بن ابی شمر کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ پر ایمان اور اللہ کے احکام کی تصدیق کرے۔ پس میں تجھے اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تو اس ایک خدا پر ایمان لائے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اگر تو ایمان لے آیا تو تیری سلطنت باقی رہے گی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت مجدد کا اسلوبِ دعوت جہاں ایک جانب حالات کے عین مطابق نظر آتا ہے۔ وہیں وہ اسوہ نبوی کا پر تو اور عکس بھی نظر آتا ہے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ کا خود اپنا نقطۂ نظر کیا تھا، اور وہ اس حوالے کیا فکر رکھتے تھے؟ وہ کون سا ذریعہ اختیار کرنا چاہتے تھے۔ اور کس طریق کار کو ترجیح دیتے تھے اور کیوں؟

## حضرت مجدد کا مطمحِ نظر

حضرت مجدد کو علم تھا کہ یہ معاملہ فہم و فراست کے ساتھ طویل جدوجہد کا متقاضی ہے، اور یہ خاموش جدوجہد ہے، جس کا راستہ صبر اور استقامت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مقصد کا اظہار حضرت مجدد رحمہ اللہ کی تحریروں میں متعدد مقامات پر ملتا ہے۔ ایک مکتوب میں اپنے صاحب زادے اور جانشین خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کو آپ تحریر فرماتے ہیں:

اے فرزند! باوجود اس معاملے کے جو میری پیدائش سے وابستہ رہا ہے ایک اور کارخانۂ عظیم میرے سپرد کیا گیا ہے، مجھے پیری مریدی کے لیے (اس دنیا میں) نہیں لایا گیا ہے اور نہ ہی میری پیدائش سے مخلوق کی تکمیل وارشاد مقصود ہے بل کہ معاملہ کچھ اور ہی ہے اور قدرتِ خداوندی کو مجھ سے کچھ اور ہی کام لینا ہے، البتہ اس ضمن میں جس کو مناسبت ہو گی وہ فیض بھی حاصل کرلے گا ورنہ نہیں، تکمیل وارشاد کا کام اس کارخانہ کے مقابلے میں راستے میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح ہے، (یعنی بالکل ہیچ ہے) انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو ان باطنی معاملات کے ساتھ یہی نسبت تھی اگرچہ منصبِ نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات و خصوصیات سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابع داروں کو تبعیت و وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہے۔(۴۲)

اس طرح ایک مکتوب گرامی میں آپ حکومت واہل حکومت کی اصلاح کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے موقف کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

بادشاہ کو عالم (جہان) کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کہ دل کو بدن کے ساتھ ہے اگر دل ٹھیک ہے تو بدن بھی ٹھیک ہے اور اگر دل بگڑا ہوا ہے تمام بدن بگڑا ہوا ہے لہٰذا بادشاہ کی درستی میں ساری عالم کی درستی ہے اور اس کی خرابی میں سارے عالم کی خرابی ہے۔(۴۳) نیز ایک اور مکتوب میں رقم طراز ہیں:

بادشاہ روح کی طرح ہے اور تمام انسان جسم کی مانند ہیں۔ اگر روح صالح ہے تو جسم بھی صالح (درست) ہے اور اگر روح فاسد ہو جائے تو بدن بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے اور بادشاہ کی اصلاح اس امر میں ہے کہ بہ لحاظِ وقت جس طرح ہو سکے کلمۂ اسلام کا اظہار کیا جائے، کلمۂ اسلام کے بعد اہل سنت وجماعت کے معتقدات بھی کبھی کبھی بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دینے چاہییں

اور مذہبِ مخالف کی تردید کرنی چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر ہو جائے تو گویا انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثتِ عظمیٰ ہاتھ آ گئی۔ آپ کو یہ دولت مفت حاصل ہے اس کی قدر کرنی چاہیے۔(۴۴)

**مجددی طریق کار**

حضرت مجدد نے اپنی فراست سے ان طبقات کو، جن کی اصلاح ان حالات میں خصوصیت سے مطلوب تھی، چند حصوں میں تقسیم کیا، اور ہر طبقے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔

یہ طبقات تھے:

الف: غیر سرکاری، مگر موثر طبقہ

ب: ارکان سلطنت

ج: بادشاہ وقت

**طبقۂ اول**

اس مقصد سے حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اپنی دعوتی منہج کو انفرادی رابطے کی بنیاد پر استوار کیا، اور ایسے افراد کو ہدف اول قرار دیا، جو فوری طور پر پیغام قبول کر سکتے تھے، یا ان ہی قبولیت کے اثرات زیادہ محسوس کیے جا سکتے تھے۔

حضرت مجدد نے اس حوالے سے منتخب حضرات کو خطوط لکھے، یقیناً ذاتی روابطہ اور ملاقاتوں کے ذریعے بھی اس مہم کو آگے بڑھایا گیا ہوگا، لیکن جو چیز محفوظ ہے، وہ آپ کے مکاتیب ہیں، اس سلسلے کو بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اس کے نہایت دور رس نتائج مرتب ہوئے، چناں چہ حضرت مجدد اپنے ایک مکتوب میں جو شیخ فرید (۴۵) کے نام تحریر کیا گیا۔ اس حوالے سے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

آج جب کہ دولتِ اسلام ترقی اور موانعاتِ اسلام کا زوال اور بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی کی خوش خبری خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے کہ بادشاہ کے مددگار و معاون ہوں اور شریعت کی ترویج اور مذہب کو تقویت دینے میں اس کی رہ نمائی کریں خواہ یہ امداد و تقویت زبان سے میسر ہو یا ہاتھوں سے جس قسم کی بھی امداد مطلوب ہو اس سے دریغ نہ کریں، سب سے بڑھ کر مدد کتاب و سنت اور اجماعِ امت کی طریق پر شرعی مسائل کو بیان کرنا اور عقائدِ کلامیہ کو ظاہر کرنا ہے، تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں آ کر بادشاہ کو راستہ سے نہ بہکائے اور کام خراب نہ کر دے۔ اس قسم کی امداد علمائے اہلِ حق کے ساتھ مخصوص ہو کہ جو آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں، علمائے دنیا جن کا مقصود صرف کمینی دنیا ہے ان کی صحبت زہر قاتل ہے اور ان کا فساد متعدی ہے۔(۴۶) اس خط کی عبارت سے متبادر ہوتا ہے کہ یہ خط جہان گیر کے تخت نشین ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔

**طبقۂ دوم**

اس طبقے یعنی امرا اور رُوسا کی اصلاح بھی نہایت اہم ترین، بل کہ اس سارے قضیے میں سب سے اہم اور سب کے مقدم تھی، مجددی کاوشوں کو اس حوالے سے بھی کام یاب ترین قرار دیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ مکتوبات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان گیر کے دربار کے جتنے ممتاز رکن سنی المذہب تھے آپ نے سب کو اپنے حلقہ بگوش کر لیا تھا، چناں چہ خان خانان، خان جہاں، خانِ اعظم، خواجۂ جہاں، مرزا داراب، قلیچ خاں، اور نواب سید فرید وغیرہم کے نام خطوط، دفاترِ مکاتیب میں موجود ہیں۔ یہ تمام حضرات دولتِ جہان گیر کے عمائدین ہیں، (خلف الرشید بیرم خاں خان خاناں) جہان گیر نے اپنی توزک میں عبدالرحمن خان خاناں کی تعریف میں بہت اچھے الفاظ لکھے ہیں۔(۴۷)

اس حوالے سے بہت سے اقتباسات پیش کیے جا سکتے ہیں، مگر ہمیں ان کا استقصا نہیں بہ طور اختصار ان کی جانب محض اشارہ مقصود ہے۔ اس لیے اس حوالے سے جن عمائدین سلطنت اور امرائے ریاست سے حضرت مجدد نے خط و کتابت کی، ان کے چند اقتباسات ضرور پیش کیے جائیں گے۔

لالہ بیگ جہان گیر کے معتمد تھے، صوبۂ بہار کا سارا نظم و نسق ان ہی کے ذمے تھا، ان کے نام اپنے مکتوب میں حضرت مجدد تحریر فرماتے ہیں:

تقریباً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا رہی ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کے شہروں میں صرف کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بل کہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل مٹ جائیں اور اسلام اور اہل اسلام کا نشان نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائرِ اسلامی کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے، گائے کا ذبح کرنا ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار ہے، کفار جزیہ دینے پر شاید راضی ہو جائیں

مگر گائے ذبح کرنے پر ہر گز راضی نہ ہوں گے۔ سلطنت کے ابتدا ہی میں اگر اسلامی عقائد نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے اعتبار پیدا کر لیا تو بہتر ورنہ نعوذ باللہ اگر توقف ہو گیا تو مسلمانوں پر کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث، دیکھئے کون صاحبِ دولت اس سعادت کو حاصل کرتا ہے اور کون بہادر اس دولت کو آگے بڑھ کر لیتا ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (۴۸)

مفتی صدر جہاں کو جہان گیر بہت مانتا تھا یہ بچپن میں اس کے نگرانِ تعلیم بھی رہے تھے، یہ وہی بزرگ ہیں جن کو اکبر نے وفات کے وقت خاص طور سے کلمۂ شہادت پڑھوانے کے لیے بلوایا تھا اس بنا پر کہ یہ سید تھے اور اکبر کے زمانہ میں مدتوں منصبِ صدارتِ افتا پر فائز رہے تھے، جہان گیر نے بدستور منصبِ صدارت پر فائز رکھا اور کچھ اختیارات میں مزید توسیع کر دی اور ایک دم چار ہزاری منصب پر سرفراز کر دیا تھا جیسا کہ تزکِ جہان گیر میں ہے اور مذہبی احترام کی بنا پر ان کو اور قاضی القضاۃ کو سجدۂ شاہی بجالانے سے بھی مستثنیٰ کر دیا تھا۔ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ ان کو کچھ دعائیں دینے اور عہدِ اکبری کی دینی بربادی کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ (۴۹) احکامِ شرعیہ کے جاری کرنے اور مذہبِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کی ذلت وخواری کی باتیں سن کر ماتم زدہ مسلمانوں کے دل کو خوشی اور روح کو تازگی حاصل ہو گئی، اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ مالک وقدیر سے سوال ہے کہ اپنے نبی بشیر ونذیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس بڑے کام میں زیادتی بخشے۔ یقین ہے کہ اسلام کے مقتدا یعنی ساداتِ عظام اور علمائے کرام خلوت وجلوت میں اس دین متین کی زیادتی اور اس صراطِ مستقیم کے درپے رہیں گے، یہ فقیر بے سروسامان اس بارے میں کیا دم مارے۔ اب سنا ہے کہ بادشاہِ اسلام اسلامی استعداد کی خوبی حاصل ہونے کی وجہ سے علما کا خواہاں ہے الحمد للہ علیٰ ذلک۔ (۵۰) خان جہاں، اکبر کے زمانے میں پنج ہزاری منصب رکھتے تھے یہ ایک بڑا منصب تھا، عہدِ جہاں گیری میں سلطنت کے مقتدر رکن ہوئے بادشاہ کے مقربین خاص میں سے تھے اور جہان گیر ان کی بات کو سنتا اور مانتا تھا، ان کی اصلاح کی طرف حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کو خاص توجہ تھی، مکتوبات مجدد کے دفتر دوم میں ان کے نام ایک طویل مکتوب ہے، جس میں آپ نے دین کے تمام اہم موضوعات اور ضروری عقائد وارکانِ اسلام کو بڑی وضاحت سے بیان فرمادیا ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ ایک شخص کو دینِ اسلام اور طریقۂ اہلِ سنت وجماعت سے واقف کرنے کے لیے یہی ایک مکتوب گرامی کافی ہے، حضرت مجدد الف ثانی دین کے متعلق ضروری باتیں بیان کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں:

وہ دولت جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے اور لوگ اس دولت سے غافل ہیں بل کہ قریب ہے کہ آپ بھی اس کو محسوس نہ کریں وہ یہ ہے کہ بادشاہِ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آتا ہے اور اہلِ سنت وجماعت میں سے ہے اور حنفی مذہب پر ہے، اگرچہ چند سال ہوئے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قربِ قیامت اور عہدِ نبوت ﷺ کے بعد کا زمانہ ہے، بعض طالب علموں نے اپنی طمع کی کم بختی وذلت سے جو کہ باطن کی خباثت سے پیدا ہوئی ہے بادشاہوں کے امرا کے ساتھ تقرب حاصل کیا ہے اور خوشامدی بن گئے ہیں اور دینِ متین میں تشکیکات اور اعتراضات کیے ہیں اور شبہے نکالے ہیں اور سادہ لوح اور بیوقوفوں کو بہکا رہے ہیں۔ جب ایسا عظیم الشان بادشاہ آپ کی باتوں کو اچھی طرح سن لیتا اور قبول فرماتا ہے تو یہ کس قدر بھاری دولت ہے کہ آپ تصریح یا اشارے کے طور پر کلمۂ حق یعنی کلمۂ اسلام کو اہل سنت وجماعت کے معتقدات کے موافق اس کے گوش گزار کر دیں، اور جہاں تک ہو سکے اہلِ حق کی باتوں کو پیش کریں بل کہ ہمیشہ امیدوار اور منتظر رہیں کہ کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں مذہب وملت کی نسبت گفت گو کی جائے تا کہ اسلام کی حقیقت ظاہر ہو جائے اور کفر وکافری کے بطلان وبرائی کا بیان کیا جائے۔ کفر خود ظاہر البطلان ہے کوئی عقل منداس کو پسند نہیں کرتا، بے خوف اس کے بطلان کو ظاہر کرنا چاہیے اور بلا توقف ان کی جھوٹے خداؤں کی نفی کرنی چاہیے، اور معبودِ برحق جل شانہٗ بلا تردد وشبہ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ کیا کبھی سنا ہے کہ ان کے باطل خداؤں نے ایک مچھر کو بھی پیدا کیا ہے اگرچہ وہ سب اکھٹے ہو جائیں، اور مچھر ان کو ڈنک مارے اور تکلیف پہنچائے وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے تو پھر وہ دوسروں کو کس طرح بچا سکتے ہیں۔ کافر گویا اس امر کی برائی کو ملاحظہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ معبود حق تعالیٰ سے ہماری سفارش کرنے والے ہوں گے اور ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں گے۔ یہ لوگ بے عقل ہیں انہوں نے کیسے جان لیا ہے کہ ان جمادات کو شفاعت کی مجال ہو گی اور حق تعالیٰ اپنے شریکوں کی شفاعت کو جو درحقیقت اس کے دشمن ہیں اپنے دشمنوں کی عبادت کرنے والوں کے حق میں قبول کر لے گا۔ ان کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کہ باغی لوگ بادشاہ پر حملہ کریں اور چند بے وقوف ان باغیوں کی مدد کریں اس خیالِ فاسد سے کہ تنگ وقت میں یہ باغی بادشاہ کے نزدیک ہماری سفارش کریں گے اور ان باغیوں کے ذریعے ہم بادشاہ کا تقرب حاصل کر لیں گے۔ یہ عجیب بے وقوف ہیں کہ باغیوں کی خدمت کریں اور باغیوں کی شفاعت سے بادشاہ سے معافی مانگیں اور اس کا قرب حاصل کریں۔ یہ لوگ سلطانِ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے اور باغیوں کو شکست کیوں نہیں دیتے تا کہ اہلِ قرب اور اہل حق میں سے ہوں۔ (۵۱) اسی طرح اکبر کا رضاعی بھائی جو خانِ اعظم کہلاتا ہے، اور

امرا میں سے تھا، عہدِ جہان گیر میں بھی اس کو بڑی قدر و منزلت حاصل رہی حضرت مجدد ایک مکتوب میں مخاطب کرتے ہیں اور اسلام کی غربت کسمپرسی اور حکومت وقت کی اسلام کے ساتھ بے مہری کا ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

ہم آج آپ کے وجود مبارک کو غنیمت شمار کرتے ہیں اور اس معرکۂ ضعیف اور شکست خوردہ میں آپ کے سوا کسی کو بہادر اور لڑاکا نہیں جانتے، حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کا مددگار اور ناصر ہو۔ حدیث میں وارد ہے:

لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ

تم میں سے کوئی ایمان دار نہ ہوگا جب تک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے۔

اس وقت وہ جنون جو کثرتِ غیرتِ اسلام کے زیادہ ہونے پر مبنی ہے اب آپ ہی کی ذات میں محسوس ہے، الحمد للہ علیٰ ذٰلک

آج وہ دن ہے کہ تھوڑے سے عمل کو اجرِ عظیم کے بدلے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ اصحابِ کہف سے ہجرت کے سوا اور کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا جس نے اتنا اعتبار (یعنی فضیلت) پیدا کیا ہے۔ سپاہی دشمنوں کے غلبے کے وقت اگر تھوڑی سی جدوجہد بھی کریں تو بڑا اعتبار پیدا کر لیں برخلاف دشمنوں کے امن و آرام کے وقت کے۔ اور یہ قولی جہاد جو آج آپ کو حاصل ہے یہی جہادِ اکبر ہے، اس کو غنیمت جانیں اور ھَلْ مِنْ مَزِیْد کہیں، اور اس جہادِ قولی کو جہاد قتال سے بہتر سمجھیں۔ ہم جیسے بے دست و پا فقرا اس دولت سے محروم ہیں:

هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِمُهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

...التماس یہی ہے کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان بزرگ خاندان (نقشبندیہ) کے بزرگوں کی محبت کی برکت سے آپ کی بات میں تاثیر بخشی ہے اور آپ کی مسلمانی کی عظمت ہمسروں کی نظروں میں ظاہر ہو چکی ہے تو کوشش فرمائیں، کم از کم اہلِ کفر کے وہ احکام جو اہلِ اسلام میں شائع ہیں منہدم و معدوم ہو جائیں اور اہلِ اسلام منکرات (خلافِ شرع امور) سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ پہلی سلطنت میں دینِ مصطفی ﷺ کے ساتھ دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔ اور اس سلطنت میں ظاہری طور پر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو بے علمی کے باعث ہے، ڈر یہ ہے کہ ایسا نہ ہو یہاں بھی عناد و دشمنی تک نوبت پہنچ جائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے۔ (۵۲)

**بادشاہ کی اصلاح**

تیسرا اہم ترین ہدف خود بادشاہ وقت کی اصلاح تھی۔ حضرت مجدد کو اکبر کی اصلاح کا موقع نہیں مل سکا، اس کے فوراً بعد جہاں گیر کا عہد آیا، جہاں گیر بھی ابتدا میں اپنی پیش رو کے ہی مسلک پر نظر آتا ہے۔ اس دوران اس نے ایک بڑا اقدام کیا۔ اس نے زیادہ شدت سے کام لیتے ہوئے حضرت مجدد کو گوالیار کی جیل میں قید کر دیا۔ مگر حضرت مجدد نے یہ عہد نہ صرف نہایت ثابت قدمی سے گزارا، بل کہ آپ نے اسے اپنے راستے کی ایک منزل تصور کیا۔ حضرت مجدد کے مکاتیب میں اس واقعے کا ذکر زندگی کے ایک اہم مرحلے کے طور پر ملتا ہے، جو نہایت توجہ طلب نکتہ ہے، اور گہرے غور و فکر کا متقاضی ہے۔ اس مفہوم کو بیان کرنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم خود حضرت مجدد کے مکاتیب کا ایک انتخاب چند اقتباسات کی صورت میں پیش کریں۔ چناں چہ حضرت مجدد خواجہ میر محمد نعمانؒ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

سیادت پناہ میر محمد نعمان کو معلوم ہوگا کہ یاران خیر اندیش نے ہر چند خلاصی کے بارے میں کوشش کی مگر کارگر اور فائدہ مند نہ ہوئی۔ اَلْخَیْرُ فِیْ مَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) اس امر سے بہ مقتضائے بشریت کچھ غم و حزن لاحق ہوا اور سینے میں تنگی ظاہر ہوئی لیکن کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ سب حزن اور سینے کی تنگی خوشی اور شرح صدر (سینے کی فراخی) سے بدل گئی اور خاص یقین سے معلوم ہوا کہ اگر ان لوگوں کی مراد جو آزار کے درپے ہیں حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے تو سینے کی تنگی اور کدورت بے فائدہ اور دعوائے محبت کے برخلاف ہے کیوں کہ محبوب کا ایلام اس کے انعام کے طرح محب کے نزدیک محبوب و مرغوب ہوتا ہے۔ محب جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام سے بھی ملتذذ ہوتا ہے بل کہ اس کے ایلام میں زیادہ تر لذت پاتا ہے کیوں کہ یہ محبت کی اپنی مراد اور حظِّ نفس کی آمیزش سے پاک ہے۔ جب حق تعالیٰ جو جمیلِ مطلق ہے اس شخص کا آزار چاہتا ہے تو حق تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی حق تعالیٰ کی عنایت سے اس شخص کی نظر میں جمیل بل کہ لذت کا سبب ہے۔ اور جب ان لوگوں کی مراد حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد کے ظہور کا دریچہ ہے تو ان لوگوں کی مراد بھی نظر میں پسندیدہ اور لذت حاصل ہونے کا موجب ہے کیونکہ اس شخص کا فعل بھی جو محبوب کے فعل کا مظہر ہے محبوب کے فعل کی طرح محبوب دکھائی دیتا ہے اور وہ شخصِ فاعل بھی

اس نظر کے علاقے سے محب کی نظر میں محبوب ظاہر ہوتا ہے۔(۵۳)اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کو اپنے حالات اور کیفیات اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

میرے مخدوم و مکرم! مصائب کے آنے میں اگرچہ بڑی تکلیف وایذا برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے، اس جہان کا بہتر اسباب حزن واندوہ ہے اور اس دستر خوان کی خوشگوار نعمت مصیبت والم ہے، ان شکرپاروں پر دارو ئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھایا ہوا ہے، اور اس حیلے سے ابتلا و آزمائش کا راستہ کھولا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر کر کے اس تلخی کو شکر کی طرح چباتے ہیں اور کڑواہٹ کو مفراوی مزاج والے کے برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں۔ کیوں شیریں نہ سمجھیں جبکہ محبوب کے تمام افعال شیریں ہوتے ہیں، علتی اور بیمار شاید ان کو تلخ معلوم کرے کیوں کہ وہ ماسواء میں گرفتار ہے مگر معنوی دولت والے حضرات محبوب کے الم ورنج دینے میں اس قدر حلاوت اور لذت پاتے ہیں جو اس کے انعام میں ہرگز متصور نہیں ہوتی، اگرچہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں لیکن ایلام میں محب کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے۔(۵۴)حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو قلعہ گوالیار میں مقید کیا گیا تھا مگر بہ ظاہر خط وکتابت اور ملاقات پر پابندی نہیں تھی پرچہ نویس جو ہر ایک چیز کو بادشاہ تک پہنچایا کرتے تھے انہوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے حالات آپ کے خیالات عزائم اور ارادوں کو بھی یقیناً جہان گیر تک پہنچایا ہوگا، اور جہان گیر یقیناً حیران ہوا ہوگا کہ جس شخص کو اس قدر برا بنا کر پیش کیا گیا تھا، اس کے پرچہ نویس اس کو پیکرِ صدق وصفا، مجمعہٗ اخلاق اور اسلامی کمالات کی جیتی جاتی تصویر قرار دے رہے ہیں، جس کی قوتِ ایمانی نے جیل خانے میں پہنچ کر ازلی ڈاکوؤں، چوروں اور بدمعاشوں کو بھی صداقت وہدایت کے رنگ میں رنگ دیا، وہ بے دین کافر لوگ جن کی عمر ظلم وجفا، ایذائے خلق اللہ اور امنِ عامہ کی تباہی و بربادی میں گزری تھی جن کو جیل خانہ کی سخت سے سخت تکلیف بھی رام نہ کر سکی تھی صرف ایک سال کے عرصے میں وہ سب حلقہ بہ گوشِ اسلام اور راستی وراست بازی کے حریص نظر آرہے ہیں، ان تمام حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ ایک سال کے بعد بادشاہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور حضرت کو اپنے پاس طلب کر کے بہت زیادہ اکرام واحترام کیا اور بہت کچھ معذرت کی اور حضرت مجدّد قدس سرہٗ سے اس قدر محبت کرنے لگا کہ کسی وقت بھی حضرتؒ کی جدائی گوارا نہ کرتا تھا اور شہزادہ خرم (شاہ جہاں) کو حضرتؒ کے حلقۂ مریدان میں داخل کیا، چناں چہ شاہ جہاں اور عالم گیر کے زمانے تک بادشاہ اور جملہ علما و وزرا سلسلہ مجددیہ کے حلقہ بہ گوش ہوتے رہے۔(۵۵)

کچھ مدت بعد جو تاریخ میں کم وبیش دو سال بیان ہوئی ہے، حضرت مجدد رحمہ اللہ کو اس قید سے رہائی ملی، مگر بہ ظاہر جہان گیر نے حضرت کو جانے اور رہنے کا اختیار دے دیا مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوادیا کہ چند روز آپ ہمارے لشکر میں رہیں۔ چناں چہ آپ ایک عرصے تک شاہی لشکر میں رہے اور یہی چیز آپ کے حق میں بہتر ثابت ہوئی کیوں کہ جو کام بنا وہ اسی سے بنا، بادشاہ کو اچھی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکّی کر دیا پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔

قید سے رہائی کے بعد کچھ دنوں آپ بادشاہ کے ساتھ ایک شاہی نظر بند یا شاہی مہمان کی حیثیت سے رہے یا رکھے گئے تھے اس موقع سے آپ نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا، بادشاہ کے لیے پند ونصائح کرنے کا موقع میسر ہوا، جیسا کہ آپ کے بعض مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے، اسی سال رمضان شریف میں روزانہ بعد نماز مغرب بادشاہ سے خاص صحبت رہتی تھی جس کا کچھ حال حضرتؒ نے اپنے صاحب زادگان کو تحریر فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں، عجیب وغریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امورِ دینیہ اور اصولِ اسلامیہ کی ان گفت گوؤں میں سرِ مو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں بیان ہوتی ہیں، جو خاص خلوتوں اور مجالس میں بیان ہوتی ہیں، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لیے ایک دفتر ہونا چاہیے۔(۵۶)

اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے صاحب زادوں کو بھی اپنے پاس بلالیا اب یہ پورا گھرانا پورے لشکر کی تبلیغ و تلقین میں مشغول ہو گیا، چناں چہ خواجہ حسام الدینؒ کو تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ آپ صحت وعافیت سے ہیں اور دور افتادہ دوستوں کے حالات معلوم کرنے سے غافل نہیں ہیں، اس طرف کے فقرا کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں کہ عین بلا میں عافیت اور عین تفرقے میں جمعیت حاصل ہے۔ وہ فرزند و دوست جو ہم راہ ہیں ان کے اوقات بھی جمعیت سے گزر رہے ہیں اور ان کے احوال میں ترقی ہو رہی ہے لشکر ان کے حق میں عین خانقاہ ہے کہ لشکریوں کی عین تلوینات میں ان کو تمکین حاصل ہے، اور عین مختلف گرفتاریوں میں جو اس جگہ کے لیے لازمی ہیں ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں، نہ ان کے ساتھ کسی کا تعلق ہے نہ ان کو کسی

سے واسطہ ہے، اس کے باوجود بے اختیار و مجبور ہیں اور حبس و قید کی دولت میں گرفتار ہیں۔ یہ ایک عجیب قسم کی حبس ہے جس کے عوض رہائی کو جو کے برابر نہیں خریدتے اور ایک عجیب قید ہے کہ وہاں سے رہائی کو ایک کوڑی کے بدلے میں نہیں لیتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعْمَآئِہٖ (اس نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کا شکر اور احسان ہے) میرے مخدوم! قُرَّتَا الْعَیْنَیْنِ (دونوں فرزندوں) کی طرف خط بھیجنے سے مقصود ان بعض نعمتوں کے فوت ہو جانے پر اظہارِ افسوس تھا جن کے حاصل ہونے کی وطن میں امید تھی۔ اور لشکر میں آنا اور صحبت رکھنا آپ کی صلاح پر وابستہ ہے کیوں کہ آپ لشکر اور لشکریوں کے اوضاع و احوال کو بہتر جانتے ہیں اور جس جگہ کی نفع و ضرر کو اچھی طرح پہنچانتے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ اگر تم لکھو کہ آفات سے محفوظ رہیں گے تو آ جائیں، اَلْغَیْبُ عِنْدَ اللّٰہِ (غیب کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے باوجود یہ کہ اربابِ تفرقہ سے بہت میل جول ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمراہیوں میں سے کسی کو بھی اب تک تفرقے کی آفت نہیں پہنچی اور مطلب سے نہیں روکا۔ (۵۷)

حضرت مجدد کا اصل کارنامہ یہی تھا، اسی نے آپ کو انفرادی بخشی۔ حضرت مجدد کا یہ کارنامہ اہل علم کے ہاں نمایاں اور معروف رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت مجدد کے ایک رسالے رد روافض کو عربی میں منتقل کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب حضرت مجدد کی خدمات کے اس پہلو کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مجدد کا اصل کارنامہ یہی تھا، اسی نے آپ کو انفرادیت بخشی۔ حضرت مجدد کا یہ کارنامہ اہل علم کے ہاں نمایاں اور معروف رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت مجدد کے ایک رسالے ردِ روافض کو عربی میں منتقل کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب حضرت مجدد کی خدمات کے اس پہلو کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

**ومن عجب صنع اللہ انہ کما ترا کم فی عہد ہذین من الفتن الدہماء مالم یروہ معشارہ فی ہد القدماء و کذلک لم یر مثل عہد ہما فی اجتماع الاولیاء اصحاب الأیات الظاهرة والکرامات الباهرة والعلماء اصحاب التصانیف المفیدة والتوالیف الجیدة کالسید عبدالوہاب البخاری الخ... ہو لاء وغیرہم ممن یتبرک باسمہ و یرجی نزول الرحمة بذکرہ و ہولاء من نواحی دہلی خاصة فضلاء عمن کان فی گجرات و دکھن وغیرہما الخ**(۵۸)

حضرت مجدد رحمہ اللہ کی خدمات کے اثرات بہت جلد ظاہر ہوئے، اور ایک وقت ایسا آیا کہ خود حکومت وقت اور شاہی دربار میں مذہبی امور کو قرار واقعی اہمیت حاصل ہو گئی۔ چناں چہ ایک دن شیخ فرید کو، جن کا ذکر اور تعارف ماقبل میں گزر چکا ہے، یہ حکم ملا کہ "دربار کے لیے چار دیندار عالم مہیا کیے جائیں جو مسائلِ شرعیہ بتایا کریں تاکہ کوئی کام خلافِ شرع واقع نہ ہو" حضرت مجدد کو یہ اطلاع ملی تو ظاہر ہے کہ مسرت ایک فطری امر تھا۔ مگر اس راستے کے مفاسد بھی حضرت مجدد کی نظر فراست سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔ چناں چہ آپ نے فوراً شیخ فرید کے نام ایک مکتوب گرامی لکھا، اس میں آپ نے اس خبر پر مسرت و شادمانی کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ جہاں آپ نے شیخ فرید کو دعاؤں سے نوازا، وہیں اپنے خدشات اور پھر ان سے بچاؤ کے طریق کار کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا: (۵۹)

سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام نے مسلمانی کی نیت سے جو اپنی ذات میں رکھتا ہے آپ سے فرمایا ہے کہ چار آدمی دیندار علما مہیا کریں تاکہ دربار میں ملازم رہیں اور مسائلِ شرعیہ کو بیان کرتے رہیں تاکہ خلافِ شرع کوئی امر صادر نہ ہو۔ الحمد للہ! مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کون سی خوشی ہو گی اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ کیا خوش خبری ہو گی، لیکن چوں کہ یہ حقیر بھی اسی غرض کے لیے آپ کی خدمتِ بلند کی طرف متوجہ ہے چناں چہ کئی دفعہ اس امر کا اظہار کیا گیا ہے اس لیے اس بارے میں کہنے اور لکھنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں رکھ سکتا امید ہے کہ مجھے معذور سمجھیں گے، صَاحِبُ الْغَرَضِ مَجْنُوْنٌ (غرض والا تو دیوانہ ہوتا ہے) عرض کرتا ہے کہ ایسے دیندار علما جو جب جاہ و ریاست سے خالی ہوں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تائید کے سوا اور کچھ مطلب نہ رکھتے ہوں بہت ہی کم بل کہ کم سے کم ہیں، اور حُبِّ جاہ و ریاست ہونے کی صورت میں ہر ایک اپنی طرف کھینچنا چاہے گا اور اپنی بزرگی کو ظاہر کرنا چاہے گا، پھر ان میں اختلافات ہوں گے اور ان ہی کو یہ بادشاہ کے قرب کا وسیلہ بنائیں گے تو لا محالہ معاملہ بگڑ جائے گا۔ گزشتہ زمانے میں ایسے علما کے اختلافات ہی نے دنیا کو بلا میں ڈالا تھا اب بھی وہی چیز درپیش ہے، ترویج کیا ہو گی بل کہ یہ تو دین کی خرابی کا باعث ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ برے علما کے فتنے سے بچائے، اگر اس غرض کے لیے ایک ہی عالم مل جائے تو بہتر ہے اور اگر علمائے آخرت میں سے کوئی مل جائے تو نہایت ہی سعادت ہے، کیوں کہ اس کی صحبت کبریتِ احمر ہے اور اگر ایسا آدمی نہ ملے تو خوب غور و فکر کے بعد اس قسم کے آدمیوں میں سے کسی بہتر کو اختیار کریں۔ (۶۰)

### نئی دعوتی تحریک اور اس کے خدوخال

حضرت مجدد الف ثانی کی مساعی کا بہت تفصیل سے ذکر ہو چکا، ہم نے کوشش یہ کی ہے کہ اس حوالے سے حضرت مجدد رحمہ اللہ کے خیالات خود ان کے اپنے الفاظ میں مندرج ہو سکیں، تاکہ بات سمجھنے میں دقت نہ ہو، نہ کوئی ابہام پیدا ہو سکے۔ اب ہمارے لیے مرحلہ یہ ہے کہ ہم ان آرا کی روشنی میں آج کے حالات میں ایک نئی دعوتی تحریک کے خدوخال واضح کریں، جو ہماری آج کی ضرورتوں کی تکمیل بھی کرے، اور اس کا منہج حضرت مجدد کے منہج اور طریقِ کار سے مستفاد ہو۔ یہ اہم ترین مرحلہ ہے، اور ہمارے لیے حد درجے ناگزیر بھی، لیکن اس سے قبل ہمیں آج کے حالات کی ضرورتوں کا جائزہ لینا ہوگا۔

### عصر حاضر کی ضرورتیں

آج کا عہد ایک غیر متوازن عہد ہے، ہمیں اپنی اس بات کی وضاحت کے لیے قدرے تفصیل سے کام لینا ہوگا:

الف: آج علم تو جس قدر بھی ہو، معلومات کا دائرہ نہایت وسیع ہو چکا ہے، انٹرنیٹ نے اور اس پر موجود متعدد سرچ انجنوں نے معلومات کے دریا نہیں بڑے بڑے سمندر نیٹ کے کوزے میں بند کر دیے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ جہالتیں بھی اسی تناسب سے بڑھ رہی ہیں۔ مختلف النوع عصبیتوں نے علم کے منابع سے استفادہ مشکل ترین کر دیا ہے۔ مسالک اور فقہی مکاتب فکر کا عروج ہے، اور اس قدر عروج ہے کہ بڑی بڑی شخصیات جنہیں ان حدود و قیود سے بلند ہو کر امت مسلمہ کی رہ نمائی کرنی تھی، وہ حالات کے جبر کے تحت خود ان ہی کنوؤں کی اسیر ہو کر رہ گئی ہیں، بل کہ بعض حالات میں تو ان کی بقا ہی اس محدودیت میں دکھائی دیتی ہے۔ یہ ایک تضاد ہے۔

ب: ہمارا معاشرہ ماضی سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہے، مگر اسی قدر ترقی دشمن بھی ہے کہ آج رسوم و رواج پہلے سے کہیں زیادہ پختہ ہیں، اور ان پر انسان کا دلی یقین نہ بھی ہو تو عملی تعلق پختہ تر ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی تمام تر ترقی کے باوجود جہالتوں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

ج: آج کا انسان ماضی کی بہ نسبت زیادہ مذہبی شعور کا حامل بھی ہے۔ (یہاں ماضی سے قرونِ اولیٰ مراد نہیں) مگر مذہبی روایات سے روگردانی اور مذہب بیزاری میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لادینیت کا نعرہ الحاد کی صورت اختیار کر چکا ہے، اور سیکولرازم کی بات مذہب سے بے زاری کے تناظر میں کی جا رہی ہے۔

د: ہمارے رویے انسانوں کو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھنے پر مصر ہیں۔ یوں ایک جانب عالم گیریت کی بات کی جا رہی ہے، تو دوسری جانب انسانیت کو نسلوں، رنگوں اور مذہبوں سے جانچا جا رہا ہے۔

ھ: پوری دنیا دہشت میں مبتلا ہے۔ امن کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، مگر یہ آدھا امن ہے، وہ قوتیں جن کی بنیادی ذمے داری امن کی پاس داری ہے، وہی امن پھیلانے کا نعرہ لگا کر امن دشمن قوتوں کو پروان بھی چڑھا رہی ہیں اور نئے امن دشمنوں کی پرورش برداشت میں بھی مصروف ہیں۔

و: ایک جانب سائنس اور ٹیکنالوجی کا غلغلہ ہے، اور اس کے ساتھ انسان دشمنی کا عالم یہ ہے کہ مساوات مرد و زن کے حوالے سے نعرہ زن ہی سائنس اور ٹیکنالوجی پر اجارہ داری کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

### ہماری ذمے داریاں

اس تفصیل کے بعد اہم ترین سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے، اور کس نوع کے اقدامات ہو سکتے ہیں، جو ہمارے مسائل کے حل کے لیے اور پیغام اسلام کی ترویج کے لیے مفید ثابت ہوں؟

اصولی بات یہ ہے کہ ہمارے لیے ان حالات میں حضرات صوفیہ کی مساعی میں بہت کچھ رہ نمائی موجود ہے۔ ان کے ہاں سب کو ایک نظر سے دیکھا جاتا تھا، ان کے ہاں ذاتی مفادات کا تصور تک نہ تھا، ان کے ہاں مادیت پرستی کا گزر تک نہیں تھا، اور ان کے دروازے ہر ایک کے لیے کشادہ تھے۔ صحیح معنی میں یہ صوفیہ کے ہی دربار تھے، جہاں ہر ایک ہر وقت آسکتا تھا، اور اپنی بات کر سکتا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ صوفیہ نے خاص حالات میں خاص طبقات پر بھی اثر انداز ہونے کا نمونۂ عمل عطا فرمایا ہے، بالخصوص حضرت مجدد کا طریق کار ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ بڑی خرابیاں اور کردار کی پستی ہمیشہ اوپر سے نیچے آتی ہے، اور الناس علی دین ملوکھم کے مصداق عوام طبقۂ اشرافیہ اور امرا کی پیروی کرتے ہیں۔ اس لیے اس طبقے کی اصلاح اولیت رکھتی ہے۔ اس کے لیے طریق کار یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایسے رجال کار تیار کیے جائیں، جو اپنے آپ کو اس مقصد کے لیے وقف کر دیں کہ وہ قرآنی اصطلاح میں وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (٦١) کے داعی اور مبلغ بن جائیں۔ ان کا ہدف

امراہوں، جن سے بے لوث ہو کر خالصتاً لوجہ اللہ تعلق قائم کیا جائے، اور یہ التزام کیا جائے کہ ان سے کوئی مادی اور دنیاوی فائدہ براہ راست یا بالواسطہ نہ حاصل کیا جائے، یقیناً یہ ایک مشکل مرحلہ ہو گا۔ مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی دکھائی نہیں دیتا۔

اس راستے کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ انسان کو دو محاذوں پر بہ یک وقت نبرد آزما ہونا پڑتا ہے :

الف: اپنے آپ سے لڑنا پڑتا ہے، جو انسان کو ایسے مواقع میسر دیکھ کر مفادات کے حصول کے لیے آمادہ بل کہ برانگیختہ کرتا رہتا ہے۔

ب: معاشرے سے دشمنی مول لینی پڑتی ہے، جو امرا کی مصاحبت دیکھ کر نہ صرف طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں، بل کہ طرح طرح کے الزامات بھی عائد کیے جا سکتے ہیں۔ خواہ وہ کسی حد تک ہی بے بنیاد کیوں نہ ہوں۔ یہ دونوں مراحل قابل صبر ہیں، اس کے بغیر یہ مراحل بہ خوبی طے نہیں کیے جا سکتے۔

لائحہ عمل

ہمیں ان تدابیر پر غور کرنا چاہیے، جن کو اختیار کر کے اپنے مسائل کو حل کر سکیں، اس حوالے سے اگر غور کیا جائے تو تین نوعیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

الف: وہ تدابیر جو محض حکومتوں کا دائرہ کار ہے۔ یہ عنوان سر دست ہماری گفت گو کے دائرے سے باہر ہے۔

ب: وہ تدابیر، جو ہر فرد انفرادی سطح پر اختیار کر سکتا ہے، اور ان پر عمل پیرا ہو کر اپنے دائرے میں کوئی خدمت سرانجام دے سکتا ہے۔

ج: وہ تدابیر جو مختلف اداروں اور تنظیموں کا دائرہ کار ہے، اور یہ ادارے سرکار اور حکومت کی طرف دیکھے بغیر اپنی اپنی حدود میں یہ خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔

یہی پہلو ایسا ہے، جس پر غور کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، اور یہی پہلو اس تحریر کا اصل عنوان بھی ہے۔

اس لائحہ عمل کو چند بنیادی نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے۔

۱۔ رجال کار کی تیاری: مختلف تعلیمی اداروں سے ذہن اور پر عزم طلبہ کو لے کر اپنی اس کار دعوت کے لیے تیار کیا جائے۔

۲۔ ان طلبہ کے انتخاب کے لیے مختلف پروگراموں، کوئز، مقابلوں اور تقریب کا اہتمام

۳۔ انتخاب کے بعد ان طلبہ کی تربیت کا اہتمام

۴۔ تربیت کے ساتھ انہیں معاشرے میں سرگرم ہونے کے مواقع۔ جس میں انہیں خدمت انسانی کی تعلیم دے کر ایسے مواقع فراہم کیے جائیں کہ تعلیم، صحت اور دوسرے رفاہی اور فلاحی شعبوں میں وہ متحرک ہو سکیں۔

۵۔ ایسے اسٹڈی سرکل قائم کیے جائیں جہاں ضروری دینی اور دعوتی امور پر غیر فرقہ وارانہ اور معلوماتی لٹریچر موجود ہو، اور طلبہ اپنے سرپرستوں کی زیر نگرانی مطالعہ کریں اور دوسروں کو اپنے نتائج مطالع سے آگاہ کریں۔

۶۔ مختلف طبقات فکر و عمل کے لیے بھی مختصر دورانیے کے کورسز تیار ہوں اور ایسے رضاکار موجود ہوں، جو ان طبقات خصوصاً ڈاکٹر، انجینئر، قانون داں، اساتذہ، تاجر وغیرہ سے اپنے روابط استوار کر کے انہیں اسی ضرورت کا احساس دلائیں اور انہیں ان نشستوں میں شرکت پر آمادہ کریں۔

۷۔ تربیت کے ماحول ابتدا عبادات سے کی جائے، پھر عمومی رویوں اور اخلاقی پہلوؤں کی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ دی جائے۔ پھر عقائد کی درستی کو اپنا ہدف قرار دیا جائے۔

۸۔ ایسے پروگرام خالص رسمی دینی ماحول سے ہٹ کر نیم تعلیمی، نیم تفریحی نوعیت کے ہونے چاہییں۔

۹۔ اس حوالے سے اساتذہ کا بھی کردار اہم ہے، ان کے ہاتھ میں نسل نو ہے، یہی نسل نو آگے چل کر حکومت اور ریاستی اداروں کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لیتی ہے، اس نقطۂ نظر سے اساتذہ اس نسل کی تربیت کریں تو نتائج جلد سامنے آئیں گے۔

۱۰۔ مختلف طبقات کو اس انداز سے تیار کیا جائے کہ وہ اپنے اداروں اور ماتحتوں میں دعوتی روح دوڑائیں۔

۱۱۔ یہ پوری تحریک غیر مسلکی اور غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر استوار ہونی چاہیے۔ جس میں کسی قسم کی غیر اسلامی عصبیت کار فرما نہ ہو۔

یہ چند نکات تھے، جن کی روشنی میں ایک مکمل خاکہ تیار کیا جا سکتا ہے۔

احتیاطیں

مگر اس راستے کی کچھ احتیاطیں بھی ہیں، جنہیں اپنے سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ان کی جانب بھی چند اشارے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

الف: یہ تمام کام خالص لوجہ اللہ ہوگا، اور اس راستے میں جاہ ومال پرستی زہر قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔

ب: اسے جس قدر رسمیت اور دفتریت سے محفوظ رکھا جاسکے اسی قدر بہتر ہوگا۔

ج: یہ تمام کام زیادہ تر رضاکارانہ بنیادوں پر ہونے چاہییں۔ اگرچہ سو فیصد یہ ممکن نہیں ہوگا، مگر کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اس کار خیر کے لیے رضاکار میسر آسکیں۔

د: ادارے کھڑے کرنا آسان ہے، انہیں زندگی دینا مشکل۔ اس لیے ضروری ہے کہ اداروں کو پروان چڑھایا جائے، انسانوں کی عمر برسوں اور اداروں کی صدیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

ھ: حتی الامکان تشہیر سے دامن بچانا ہوگا، ورنہ ہمارے بڑے وسائل اسی کی نذر ہو کر رہ جاتے ہیں۔

## حواشی وحوالہ جات

۱۔ التوبہ: ۷۱

۲۔ آل عمران: ۱۰۴

۳۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ فریضۂ دعوت وتبلیغ۔ اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔ ۲۰۰۴ء: ص ۳

۴۔ بخاری: ج ۲، ص ۷۴۴، رقم ۳۶۴۱

۵۔ آل عمران: ۱۱۰

۶۔ الحج: ۴۱

۷۔ محمود احمد غازی: ص ۵

۸۔ ابو دائود: ج ۴، ص ۴۹۱، رقم ۴۲۹۱۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۴، ص ۵۲۲، رقم ۸۵۹۲۔ شیخ البانی۔ السلسلۃ الصحیحۃ: رقم ۵۹۹۔ عجلونی۔ کشف الخفا: ج ۱، ص ۲۸۲

۹۔ علی بن سلطان محمد، القاری۔ مرقاۃ المفاتیح۔ ملتان، مکتبہ امدادیہ: ج ۱، ص ۳۰۲

۱۰۔ مرقات: ایضاً

۱۱۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی۔ اللمعات التنقیح۔ مکتبہ المعارف العلمیہ، ۱۳۹۰ھ: ج ۱، ص ۲۹۳۔ اور اشعۃ اللمعات۔ لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۳۳۲ھ: ج ۱، ص ۱۸۲

۱۲۔ ملاحظہ کیجیے: حضرت عبد الحق محدث دہلوی، شیخ۔ اشعۃ اللمعات: ج ۱، ص ۱۸۲۔ اللمعات التنقیح: ج ۱، ص ۲۹۳۔ محمد بن طاہر پٹنی، شیخ۔ مجمع بحار الانوار۔ لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۲۸۳ھ: ج ۱، ص ۱۷۷ اور عبد الحی، لکھنویؒ، مولانا۔ مجموعہ الفتاویٰ۔ لکھنؤ، مطبع یوسفی، ۱۳۲۵ھ۔ ج ۲، ص ۱۵۳ میں بھی اسی قسم کی عبارت درج ہے۔

۱۳۔ مجموعہ الفتاوی: ص ۱۵۱

۱۴۔ شاہ ابو الحسن زید، مولانا۔ حضرت مجددؒ اور ان کے ناقدین، دہلی، جمال پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۲ء: ص ۲۷

۱۵۔ ڈاکٹر سید عزیز الرحمن۔ حضرت مجددِ الف ثانی اور احیائے سنت۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ۔ مدیر سید جلال الدین عمری۔ جولائی، ستمبر ۲۰۱۱ء۔ ص ۷۱ تا ۲۰۔ راقم نے یہ حالات اختصار کے ساتھ اس مضمون میں درج کیے تھے، تفصیلی احوال کے لیے ملاحظہ کیجیے: زوار حسین شاہ، سید، مولانا۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ ندوی، ابو الحسن علی۔ تاریخ دعوت عزیمت۔ کراچی، مجلس نشریات اسلام: ج ۴

۱۶۔ علامہ ابو الفضل، آئین اکبری، ترجمہ مولوی محمد فدا علی طالب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۷ء: ج ۲، ۳۴۶، نمبر ۱۰

۱۷۔ آئین اکبری: ج ۲، ۳۵۰، نمبر ۵۳

۱۸۔ آئین اکبری: ج ۲، ۳۵۴، نمبر ۸۵

۱۹۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳۵٦، نمبر ۱۰۳

۲۰۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳۵٦، نمبر ۱۰٦

۲۱۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳۵٦، نمبر ۱۰۷

۲۲۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳۵۷، نمبر ۱۱۱

۲۳۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳۵۹، نمبر ۱۳۲

۲۴۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳٦۰، نمبر ۱۳۴

۲۵۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳٦۱، نمبر ۱۴۲

۲٦۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳٦۱، نمبر ۱۴۳

۲۷۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳٦۱۔ نمبر ۱۴۴

۲۸۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳٦۲، نمبر ۱۵۰

۲۹۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳٦۳، نمبر ۱۵۸

۳۰۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳٦۵، نمبر ۱۷۲

۳۱۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳٦٦، نمبر ۱۸۳

۳۲۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳٦٦، نمبر ۱۸۴

۳۳۔ آئین اکبری: ج۲،ص۳۷۰، نمبر ۲۰۴

۳۴۔ جہانگر بادشاہ۔ تزک جہاں گیری۔ علی گڑھ، پرائیویٹ پریس، ۱۲۸۱ھ

۳۵۔ بدایونی، ملاعبدالقادر۔ منتخب التواریخ: ج۱، ص۲۷۳

۳٦۔ زوار حسین شاہ، مولانا، سید۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، دسمبر ۲۰۱۲ء: ص۳٦

۳۷۔ شیخ محمد اکرام۔ رود کوثر۔ لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸٦ء: ۳۵۵

۳۸۔ حضرت مجدد الف ثانی: ص۳٦۱، ۳٦۲

۳۹۔ فضل الرحمن، سید۔ ہادی اعظم: کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء: ج۲، ص۵۷۷

۴۰۔ حمیداللہ، ڈاکٹر۔ الوثائق السیاسیہ۔ بیروت، دارالنفائس، ۱۹۸۵ء: ص۱۲۳۔ عیون الاثر: ج۲، ص۳۵۵

۴۱۔ الوثائق السیاسیۃ: ۹۷۔ شامی: ج۱۱، ص۳۵۹۔ زرقانی: ج۵، ص۴٦

۴۲۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی۔ ترجمہ، مولانا سید زوار حسین شاہؒ، کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء: دفتر دوم: مکتوب نمبر٦

۴۳۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۴۷

۴۴۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ٦۷

۴۵۔ نواب شیخ فرید بخاری کے نام مکتوبات شریفہ میں کل بائیس ۲۲ مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب نمبر ۴۳تا۵۴، ٦۳، ٦۴، ۱۰۳، ۱۵۲، ۱٦۳، ۱٦۵، ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۳۳، ۲٦۹۔ جہان گیر بادشاہ نے آپ کی حسنِ خدمات کے صلہ میں مرتضیٰ خاں کا خطاب سرفراز کیا(توزک جہانگیری ص ۳۲) غالباً اسی بناء پر مکتوب ۲٦۹ میں مرتضیٰ خاں نام درج ہے۔ شیخ فرید ولد شیخ احمد صحیح النسب سید تھے۔ آپ کا نسب نو۹ واسطوں سے حضرت سید جلال الدین اعظم حسینی بخاری تک پہنچ کر ستائیس ۲۷ واسطوں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے (نسیم احمد فریدی، مولانا، امروہوی۔ تجلیاتِ ربانی: ص ۵٦) شیخ فرید دہلی میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم کے بعد اکبر بادشاہ کے ملازم ہوگئے، اور اپنی معاملہ فہمی، ذہانت، ایمان داری، دیانت داری اور بہادری کی وجہ سے بہت جلد شہرت حاصل کرلی، گجرات اور پنجاب کے گورنر بھی رہے۔ شیخ فرید درویش صفت امیر تھے جن پر مشائخ کو بھی رشک آتا تھا۔ آپ کا دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ شیخ کے رہنے کا مکان بھی معمولی سا تھا لیکن جگہ جگہ سرائیں تعمیر کرائیں۔ غرض شیخ فضائل کثیرہ کے حامل تھے۔ ۱۰۲۵ھ

میں وفات پائی۔ چراغ دہلی کے راستہ پر آپ کا مزار ہے۔ از حاشیہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی: دفتر اول، حصہ اول، ص ۱۵۵۔ اسی طرح جہان گیر شیخ فرید کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "شیخ فرید میرے والد کی خدمت میں میر بخشی تھے میں نے ان کو خلعت، شمشیرِ مرصع، دوات و قلمِ مرصع مرحمت فرما کر اسی خدمت پر بحال رکھا اور ان کی سر بلندی کے لیے مابدولت نے فرمایا کہ مابدولت تم کو صاحب السیف والقلم جانتے ہیں۔ (توزکِ جہانگیری: ص ۳۲)۔ اور جلوس سن ۲ میں جب جہان گیر کا بڑا لڑکا خسرو باغی ہو گیا جس کے تعاقب میں بنفس نفیس جہان گیر کو جدوجہد کرنی پڑی اس یلغار میں شیخ فرید ہراول کے افسرِ اعلیٰ تھے انہوں نے جہان گیر سے چند گھنٹے پہلے لاہور پہنچ کر خسرو کی بہت بڑی فوج کو اپنی تھوڑی سی فوج کے ذریعہ شکست دی، اس کے بعد جہان گیر بادشاہ نے صاحب السیف والقلم یعنی شیخ فرید کو اس کے حسنِ خدمت کے صلے میں مرتضیٰ خان کے خطابِ والا سے سرفراز کر دیا۔ (ایضاً)

۴۶۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۴۷

۴۷۔ توزکِ جہانگیری: ص ۲۷۲۔ آپ حضرت مجدّد قدس سرہٗ سے سلسلہ نقشبندیہ میں باقاعدہ بیعت تھے۔ داراب خاں خان خاناں کا لڑکا تھا جو شاہ جہاں کا رفیق خاص رہا، حتیٰ کہ شاہ جہاں کی بغاوت کے زمانے میں شاہ جہاں کی حمایت کرتا ہوا شاہی لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح دوسرے حضرات بھی دولتِ جہانگیری کے ممتاز رکن تھے جو اکبر کے زمانے سے مقتدر حیثیت رکھتے تھے، ایک فقیرِ بے نوا نے ان شوکت و حشمت کی اونچی چوٹیوں پر رہنے والوں کو کسی طرح شکار کر لیا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

۴۸۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۸۱

۴۹۔ نعمانی، منظور احمد، مولانا۔ تذکرہ مجدد الف ثانی۔ لکھنؤ، الفرقان، ۱۹۶۰ء: ص ۱۴۶۔ محمد میاں، مولانا۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ ولی پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۳۶۵ھ: ص ۲۱۹

۵۰۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۱۹۴

۵۱۔ دفتر دوم: مکتوب نمبر ۶۷

۵۲۔ دفتر اول: مکتوب نمبر ۶۵

۵۳۔ دفتر سوم: مکتوب نمبر ۱۵

۵۴۔ دفتر دوم: مکتوب ۲۹

۵۵۔ حضرت مجدد الف ثانی: ص ۴۴۵

۵۶۔ دفتر سوم: مکتوب ۴۳

۵۷۔ دفتر سوم: مکتوب ۲۷

۵۸۔ شرح رسالہ رد روافض

۵۹۔ تذکرہ مجدد الف ثانیؒ: ص ۳۰۱ تا ۳۰۵ ملخصاً

۶۰۔ دفتر اول: مکتوب ۵۳

۶۱۔ العصر: ۳